Edited

فہرست مضامین "شباب و انقلاب"



نہال سیوہاروی

1604

J. & K. UNIVERSITY LIB.
Acc. No 55895
Date 6.1.65
1
14
ALLAMA IQBAL LIBRARY
55895

پیش لفظ

ازشاعرِ انقلاب حضرت جوشؔ ملیح آبادی،

وہ شخص میرے نزدیک شاعر ہو ہی نہیں سکتا جو اچھا آدمی نہیں ہے۔ ایک بُرا آدمی ممکن ہے اس دنیا میں سب کچھ بن جائے، لیکن شاعر نہیں بن سکتا۔ اور نہال صاحب سیوہاروی کا یہی تنہا وصف کہ وہ ہر حیثیت سے ایک اچھے آدمی ہیں، کم سے کم میرے واسطے اُن کے شاعر ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

نہال صاحب ابھی جوان ہیں، لیکن اُن کی شاعری کے خط و خال آج کل اُن مستند "شعرا،" کو بھی میسّر نہیں جو اس کوچے کی خاک چھانتے چھانتے بوڑھے ہو چکے ہیں۔

نہال صاحب کی شاعری، رسمی شاعری، اور غیر فطری غزل گوئی سے کوئی دور کا بھی علاقہ نہیں رکھتی ہے۔ اُن کی شاعری زندگی اور زندگی کے حقیقی پہلوؤں کی ترجمانی کرتی ہے۔ اُن کا بیشتر کلام رومانی دھندلکوں اور متصوفانہ کنجوں میں سلا دینے کے عوض، حیات کی کش مکشوں اور زندگی کے ہنگاموں میں مردانہ وار شریک ہونے اور نامساعد حالات کے فتح کرنے کی

دعوت دیتا ہے۔

یہاں کی صاحب، یہ بات نہیں ہے کہ زندگی کے غموں اور انسان کے دکھوں کو محسوس نہیں کرتے ہیں۔ وہ محسوس اور بدرجۂ اتم محسوس کرتے ہیں، لیکن ان کے سامنے "قدیم شعرا" کی طرح سپر انداختہ نہیں ہوتے، بلکہ خم ٹھونک کر مقابلہ کرتے اور دوسروں کو بھی مقابلہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

اُن کے کلام میں ایک حوصلہ مندی پائی جاتی ہے جس سے انسانی عظمت کا نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے، اور عزائم کو پرِ پرواز حاصل ہوتے ہیں۔

میری دِلی تمنا ہے کہ عصرِ نو انھیں پہچانے اور ان کی قدر کرے، ہرچند اس عبوری دور کی بوکھلاہٹ میں اس کی توقع بہت کم کی جا سکتی ہے ٭ جوش ۲۲ ۳/۴۸ دہلی

تبصرہ

از مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایم۔اے پروفیسر سینٹ اسٹیفن کالج، دہلی

جناب نہال سیوہاروی اس زمانہ کے اُن چند اردو شعراء میں سے ایک ہیں جن کا کلام مجھ کو بہت مرغوب ہے اور جو بحیثیت شاعر میرے دل میں بڑی وقعت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مجھ سے اس مجموعہ پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی گئی تو میں نے اپنی طبیعت پر کوئی جبر محسوس نہیں کیا اور میں بہ خوشی اپنے ان تاثرات کو قلمبند کرنے پر آمادہ ہوگیا جو میں جناب نہال کے کلام سے متعلق اپنے دماغ میں پاتا ہوں۔

نہالؔ کے ذاتی سوانح جناب نہال کا نام عبدالخالق ہے۔ نہال تخلص کرتے ہیں۔ والد ماجد کا اسم گرامی قاضی عبدالواسع صاحب ہے، نہال کو شاعری ورثہ میں ملی ہے۔ کیوں کہ ان کے دادا مولوی محمد یسین صاحب بھی بڑے پایہ کے سخن فہم اور بلند مرتبت شاعر تھے۔ غریقؔ تخلص کرتے تھے۔ اس زمانہ کے مشہور شاعر اُستاد شاہ شیخ ابراہیم ذوقؔ سے تلمذ رکھتے تھے۔

جناب نہال کا وطن سیوہارہ ضلع بجنور ہے، جہاں وہ سنہ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت سنِ شعور کو پہنچنے پر تعلیم کی غرض سے ایک مقامی اسکول میں داخل کیے گئے۔ لیکن چونکہ طبیعت کا فطرتاً میلان شعر و ادب کی طرف تھا اور عام طور پر مشہور ہے کہ ادب اور ریاضی میں بیر ہے۔ اس لیے ریاضی میں متواتر ناکامیاب ہوتے رہے۔ پھر اسکول کا نصاب تعلیم بھی کچھ طبیعت کے موافق نہ تھا۔ اس لیے اپنے کورس کو توجہ اور محنت سے پڑھنے کے بجائے نہال اپنا وقت زیادہ تر ادبی چیزوں کے مطالعہ میں صرف کرتے تھے۔

ملازمت لیکن قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے۔ نہالؔ عمر بھر جس مضمون سے جی چراتے رہے اور جس میں اکثر ناکامیاب ہی ہوئے، اُس قدرت نے اُسی مضمون کے ذریعہ معاش کا بندوبست کر رکھا تھا۔ چنانچہ نہالؔ ایک عرصہ سے ریلوے آڈٹ کے محکمہ میں ملازم ہیں اور اس سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک وہبی اور فطری شاعر اور اس پر یہ دماغ فرسا ملازمت! یہ سب اسرارِ تکوینی ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا ؎

اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں — طوقِ زرّیں ہمہ در گردنِ خرمی بینم

شاعری اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت نہال وقت کے ایک بڑے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں عصرِ نو کی روح بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ گویا ان رجحانات و میلانات کے کامیاب ترجمان ہیں جو آج ہر شخص کے دل و دماغ میں موجزن ہیں اور جن پر ہندوستان کے مستقبل کی شاندار عمارت قائم ہو گی۔

ابتدائی شاعری شروع شروع میں زمانہ کے عام رواج و دستور کے مطابق جناب نہالؔ نے نواب فصیح الملک مرزا داغ کے داماد اور جانشین نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی سے تلمذ حاصل کیا اور جناب موصوف سے اپنے کلام پر اصلاح لینی شروع کر دی۔

نہالؔ فارسی ادب کا بہت شستہ اور عمدہ ذوق رکھتے ہیں اور اب بھی روزانہ بلا ناغہ دو تین گھنٹے اس کے مطالعہ پر صرف کرتے ہیں۔ اس لیے فارسی زبان و ادب کا ذوق تو کامل تھا ہی، حضرت سائل دہلوی کے تلمذ نے بڑا کام یہ کیا کہ نہالؔ کی اُردو زبان کو نکھار کر نہایت لطیف و شیریں اور سلیس و رواں بنا دیا۔

لیکن جہاں تک تخیل اور فکرِ شعری کا تعلق ہے۔ بے مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس بارہ میں شاگرد اپنے استاد کی نقش قدم کا پابند نہیں رہا۔ بلکہ قدرت کی طرف سے اس کو جو فہمِ سلیم اور ذوقِ مستقیم عطا ہوا تھا اُس نے خود رہنمائی کی۔ اور نہالؔ نے گل و بلبل۔ خط و کاکل، رقیبِ روسیاہ و معشوق بے وفا کی قدیم راہِ شاعری کو ترک کر کے اپنے لئے ایک ایسا میدانِ نو منتخب کر لیا ہے جہاں بے سروپا تخیل اور داہمہ پرستی کے بجائے زندگی کی شیریں و تلخ حقیقتیں جلوہ فرما ہیں اور جہاں ایک انقلابِ عظیم کے آنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ نہال کی شاعری میں اب عاشقِ ہجران نصیب کی دردبھری آہوں کا دھونڈھنا عبث ہے۔ البتہ ہاں مزدور کی حسرت نصیب زندگی کی زہرہ گداز داستان، کسان کے دل دردمند کی چیخ اور پکار، محکوم کے نالہ ہائے شرر بار اور مظلوم انسانیت کی فغانِ کرب، یہ تمام چیزیں اُن کی شاعری کی جان ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ محض ان مضامین کا بیان کرنا آج کل کسی شاعر کے لیے طغرائے امتیاز نہیں ہو سکتا کہاں کہ آج کا ہر نوجوان شاعر یہی راگ الاپ رہا ہے اور اسی ایک دھن میں گا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود نہال کی شاعری کی چند خصوصیات ہیں جو ان کے لیے طرۂ امتیاز بن سکتی ہیں۔ ذیل میں انھیں خصوصیات کو نمبر وار بیان کرتا ہوں۔

(۱) نہال کی شاعری کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے کلام میں عقل اور جذبہ دونوں کا ایسا لطیف امتزاج

ہوتا ہے کہ اس کو پڑھ کر جہاں نوجوانوں کو سرور و کیف حاصل ہوتا ہے۔ سنجیدہ اور مفکر طبائع بھی اس سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور ان کی رگِ فکر و تامل بھی بیدار ہو جاتی ہے ـــــ مثال کے طور پر میں "غلاموں کی دنیا" والی نظم کو پیش کر سکتا ہوں۔ اس کو آپ اول سے آخر تک پڑھ جائیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک پر جوش نوجوان غلامی کے مصائب و آلام ہی بیان نہیں کر رہا ہے بلکہ فلسفیانہ انداز میں غلامی کی قباحت و شناعت پر ایک پُر معنی مدلل لکچر بھی دے رہا ہے اردو زبان کے نوجوان ادیب و نقاد جناب مجنوں گورکھپوری نے بالکل بجا لکھا ہے "نہال کے کلام میں زبان کی شستگی اور اندازِ بیان کی دلنشینی کے علاوہ ایک فکر انگیزی بھی ہوتی ہے جو سننے والے کو ٹھہر کر سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ یعنی ان کی شاعری حیاتی شعور اور مفکرانہ بصیرت کا ایک ایسا امتزاج ہے جو کیفیت سے خالی نہیں ہے اور جس کا ابھی تک ایک مستقبل نظر آتا ہے۔ (پبلسٹی مشاعرہ گورکھپور ص ۹۳)

(۲) دوسری اہم خصوصیت "معنویت" ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کہیں نہال کے کلام میں یہ نہیں دیکھیں گے کہ اُنھوں نے الفاظ کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو اصلی مقصد اور معنی کو اس کے تابع بنایا ہو۔ افسوس ہے کہ آج کل کے بعض نوجوان شاعروں میں یہ مرض اتنا عام ہو گیا ہے کہ وہ مہمل نویسی کی حد تک پہنچ گئے ہیں لیکن نہال کا کلام ان اسقام و عیوب سے بالکل پاک و صاف ہے انکے ہاں معنی اصلی ہیں اور الفاظ اس کے تابع۔ پھر اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لیے وہ الفاظ کا جو جامہ تیار کرتے ہیں وہ معنی کے بدن پر ایسا چست آتا ہے کہ اس سے شاہدِ معنی کی موزونیت زیب تن ہو دوبالا ہو جاتی ہے۔

(۳) شاعری کے دو جز ہیں۔ ایک تخیل اور دوسرا محاکات۔ نہال کی شاعری میں یہ دونوں عناصر بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں تخیل کا یہ عالم ہے کہ وہ باریک سے باریک موضوع پر طبع آزمائی کرتے ہیں اور اپنی قوت متخیلہ کی مدد سے اس کے ایک ایک گوشہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آنکھوں میں نقشہ کھنچ جاتا ہے اور معقولات پیکر بنکر محسوسات میں جلوہ نما ہو جاتے ہیں۔ محاکات کے لیے سب سے پہلی ضروری چیز قدرتِ بیان ہے۔ نہال کے ہاں اس جنسِ گرانمایہ کی بھی کمی نہیں وہ اپنے تخیلات اور محسوسات باحسن وجوہ ادا کرنے پر قدرت تامہ رکھتے ہیں۔ ایک دو نہیں اس مجموعہ میں صفحہ صفحہ پر آپ کو ایسے نظائر و شواہد ملیں گے جن سے اس دعوے کی تصدیق ہوگی۔ اس سلسلہ میں نہال سیوہاروی کا اشارہ کار نظموں کو چھوڑ کر ان کی وہ چھپن رباعیاں ہیں جو اُنھوں نے صرف آزادی کے عنوان پر لکھی ہیں اور جو گلبانگِ آزادی کے نام سے شائع ہو کر ملک میں مقبول ہو چکی ہیں۔

(۴) حضرت نہال سیوہاروی غزل اور نظم دونوں کے شاعر ہیں اور دونوں میں ان کا ایک مخصوص رنگ ہے۔ بطورِ تشبیہہ کہا جاسکتا ہے کہ حسرتؔ اور اقبالؔ دونوں کا انفرادی رنگ شاعری نہالؔ کے کلام میں یکجا ہوگیا ہے۔ نہالؔ نے کبھی رنگ قدیم میں بھی شاعری کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس رنگ میں ناکام نہیں رہے۔ انکی ابتدائی زمانہ کی غزلیں اس بات کا بیّن ثبوت ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ نہالؔ کو غزل میں بھی وہی کامیابی حاصل ہے جو انھیں نظم میں ہے۔ لیکن پھر بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ انھیں غزل کی بہ نسبت نظم سے زیادہ شغف ہو۔ چنانچہ کلام نہال میں آپ کو کثرت سے ایسی غزلیں ملیں گی جن میں نظموں کی سی روانی اور تسلسل پایا جاتا ہو۔ پوری غزل کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کا مرکزِ تخیل صرف کوئی ایک ہی چیز ہے جس کو غزل کے مختلف اشعار میں غزل اور قافیہ کی پابندی کے ساتھ مختلف اسالیب سے ظاہر کیا گیا ہے۔

(۵) نہالؔ کا کلام سادہ اور سلیس ہوتا ہے۔ یعنی اس میں عربی اور فارسی کے بھاری بھرکم الفاظ اور دور از کار تشبیہات و استعارات کی بھرمار نہیں ہوتی۔ دنیا میں شاعر تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اپنا شعر نہ خود سمجھے ہوئے ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں۔ دوسرے وہ جو خود تو سمجھ کر کہتے ہیں لیکن دوسروں کو نہیں سمجھا سکتے۔ تیسرا شاعر وہ ہوتا ہے جو خود بھی اپنے شعر کو سمجھا ہوا ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی سمجھا سکتا ہے۔ نہالؔ اس تیسری قسم کے ہی شاعر ہیں۔ وہ پہلے خود اپنی فکرِ عمیق کی روشنی میں کسی حقیقت کو دریافت کرتے ہیں پھر اسے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سننے والا فوراً سمجھ جاتا اور اس سے متاثر ہوتا ہے۔ تمثیلاً "نوائے وقت" ملاحظہ فرمائیے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر "وقت" کو زبان دے دی جائے تو وہ اپنی موجودہ رجحانات و جذبات کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا تھا"

کلامِ نہالؔ کی یہی وہ خصوصیات ہیں جن سے اس بات کا یقین ہوتا ہو کہ نہال وہبی اور فطری شاعر ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ انکی طبیعت بہت لاابالی واقع ہوئی ہے اور انھیں نام و نمود کی ایسی کچھ زیادہ پروا نہیں ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں طبیعت کے تقاضہ سے کہتے ہیں اور اپنے ضمیر کی آواز کو دوسروں تک پہنچانے کی غرض سے کہتے ہیں۔ تقلید اور اندھی پیروی نہالؔ کے مسلک میں جرم ہے۔ اسی بنا پر ان کی شاعری قدیم و جدید رنگ کا ایک خوشنما امتزاج ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نہال نے جامِ کہنہ میں شرابِ نو پیش کی ہو جس کا ذائقہ اپنی ایک مخصوص انفرادی شان رکھتا ہو۔ بڑی مسرت کی بات ہو کہ حضرت نہالؔ کا منتخب مجموعۂ کلام شائع ہو رہا ہے۔ قوی امید ہے کہ شعر و ادب کے حلقوں میں اسکو بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور شاعر نے ملک اور قوم کو جو پیغام دیا ہے اسے گوشِ حقیقت نیوش سے سنا جائے گا۔ سعید احمد اکبرآبادی ایم۔ اے

۷۸۶

رزم زندگی

دہر ہے عرصۂ ستم، اہلِ ستم سے جنگ کر
لشکرِ غم سے منھ نہ موڑ، لشکرِ غم سے جنگ کر

نصرتِ دیر باب ہے، صبح سعادت نشاط
یعنی ابھی نحوستِ شامِ الم سے جنگ کر

دیر و حرم سے یک جہت نوعِ بشر اگر نہ ہو
دیر و حرم سے ہو خلاف، دیر و حرم سے جنگ کر

تیرے نصیب میں ہو کیوں جذبۂ سوزِ مستقل
اے کرۂ سپرد نار! اہلِ ارم سے جنگ کر

لازمۂ حیات ہے، رزم حیات کا ثبوت
جرأتِ فقر سے یہ کہہ سطوتِ جم سے جنگ کر

گریۂ غم پہ خاک ڈال، رُخ سے عیاں نہو ملال
دامنِ ضبط کو سنبھال دیدۂ نم سے جنگ کر

آج کدھر وہ غرّۂ مہرِ جہاں فروز ہے
شوخیٔ ذرہ ہائے خاک کہتی ہے ہم سے جنگ کر

ہاں یونہی جہد انقلاب ارضِ غلام کے لیے
ہاں یونہی خوابِ غفلت اہلِ عدم سے جنگ کر

پست و بلند کا خیال محفلِ دہر سے نکال
ذہنِ عرب سے کر نبرد، فکرِ عجم سے جنگ کر

تو ہے جواں، ترے لیے ننگ ہے اتباعِ پیر
تیز خرام! رہبرِ سست قدم سے جنگ کر

غلغلہائے حشر ڈال عرصۂ کائنات میں
یعنی ستیزہ کار ہو رہ گذرِ حیات میں

نعرۂ مردانہ

زمانہ اذیت رساں ہو تو کیا ہے — مرا مدعی آسماں ہے تو کیا ہے
ہزار ایسے بارِ گراں ہوں تو کیا غم — حیات ایک بارِ گراں ہو تو کیا ہے
سلامت مِرا ذوق ایذا پسندی — کڑی منزلِ امتحاں ہو تو کیا ہے
بڑھے جا مرے توسنِ عزم و ہمت — ہر اک گام پر ہفت خواں ہو تو کیا ہے
فضا تا بکے تیرہ ساماں رہیگی — فضا پر مسلّط دھواں ہے تو کیا ہے
فروغِ سحر ہے مرے ہر نفس میں — شبِ تار ظلمت فشاں ہو تو کیا ہے
ہجومِ تباہی سے میں کھیلتا ہوں — تباہی کا ہر سو نشاں ہو تو کیا ہے
ہواؤں کے تیور رہیں برہم تو کیا غم — بلاؤں کا خنجر رواں ہو تو کیا ہے
بنا لوں گا ایسے ہزار آشیاں میں — اگر شعلہ زن آشیاں ہے تو کیا ہے
میں کیوں جورِ گردوں پہ گرمِ فغاں ہوں — فغاں رسمِ اہلِ جہاں ہے تو کیا ہے

ڈروں کیا جفائے زمین وزماں سے — زمیں ہے تو کیا ہے، زماں ہے تو کیا ہے
مرا دیس میری امیدوں کا گلشن — اگر نذرِ جورِ خزاں ہو تو کیا ہے
بنا دوں گا اک دن اسے خلدِ آدم — جہنم یہ ہندوستاں ہے تو کیا ہے

برایں جذبۂ ہمتِ خویش نازم
من آنم کہ ہر نیش را نوش سازم

ستارے

اُن سے بیان ہو سکا پھر بھی نہ ماجرائے شوق
گو ہمہ تن زباں بنا، گو ہمہ تن زباں ہوا
کیجیے جان و دل فدا کہتی ہے اسکی ہر ادا
عرصۂ بزمِ نازِ دوست عرصۂ امتحاں ہوا

آدم

کون و مکاں ہیں غایتِ کون و مکاں ہے آدمی ، اصلِ جہاں سے بے خبر اصلِ جہاں ہے آدمی

روزِ ازل سے ہے لیے دوش پہ بارِ کائنات ، ذرۂ ناتواں نہیں کوہِ گراں ہے آدمی

اس کا خرام تند و تیز رونقِ عرصہ ستیز ، عرصہ گہِ ستیز میں سیلِ رواں ہے آدمی

جب یہ نہ ہو تو گرمیِ خم کدۂ حیات کیا ، خم کدۂ حیات کا پیرِ مغاں ہے آدمی

عقل جسے نہ پا سکی، ذہن میں جو نہ آ سکا ، وہ دلِ کائنات کا سرِّ نہاں ہے آدمی

اک نفس کے ساتھ ہیں گرچہ ہزار انقلاب ، ہمتِ آدمی تو دیکھ پھر بھی جواں ہے آدمی

مالکِ ہمتِ بلند، مہرِ مبیں سے ارجمند ، عرش نشاں ہے اور کون عرش نشاں ہے آدمی

اُف رے یہ تابناکیاں ایک شرارِ عشق کی ، عہدِ ازل سے آج تک شعلہ بجاں ہے آدمی

خم ہے کیوں سرِ غرور جلوۂ دہر کے حضور ، اپنی تجلیوں سے آپ ایک جہاں ہے آدمی

معرضِ گفتگو میں ہیں تازہ تریں مکاشفات ، ارض و سماں سنو سنو، گرمِ بیاں ہے آدمی

حیرت و اشتیاق سے دیکھ رہی ہیں برق و باد
کونسی منزلوں کی سمت تیز رواں ہے آدمی

کچھ نہ خزاں نہ کچھ بہار، ایک سرور اک خمار
وجہِ بہار آدمی، وجہِ خزاں ہے آدمی

جسکی بلندیوں سے ہوش اڑتے ہیں جبرئیل کے
دیکھ تو کس مقام پہ زمزمہ خواں ہے آدمی

فطرتِ آدمی ہے یہ ثمرۂ آگہی ہے یہ
کوئی ہو مبتلائے غم صرفِ فغاں ہے آدمی

رونقِ کاروبارِ دہر ہمتِ آدمی سے ہے
جوش پہ یہ بہارِ دہر ہمتِ آدمی سے ہے

منتہائے زندگی

خدمتِ اہلِ وطن ہے منتہائے زندگی
اس سے بڑھ کر اور کیا ہے کیمیائے زندگی

جان دے کر بھی علمدارِ وطن مرتے نہیں
موت کے قبضے سے باہر ہے ولائے زندگی

اے خوشا تقدیر اس کی جو شہیدِ فرض ہے
ہے لحاظِ فرض سرِ ارتقائے زندگی

مرگ کہتا ہے جسے سارا جہاں شامِ حیات
ہے مرے نزدیک صبحِ جانفزائے زندگی

قطع ہو کر جیسے پُر اثمار ہو جائے شجر
جانکنی سے ہے یوں ہی نشو و نمائے زندگی

مرگِ اہلِ عشق را طرحِ حیاتِ تازہ ایست
آں جہانِ تازہ روئے زندگی را غازہ ایست

سرودِ کارواں

جہادِ زندگی ہیں کیوں ہو سر گراں چلے چلو
رواں دواں چلے چلو، رواں دواں چلے چلو

بلندیوں پہ ہو نظر، قدم اُٹھاؤ بے خطر
نہیں ہیں دور مہر و ماہ و کہکشاں چلے چلو

ڈرو نہ غم کی رات سے، تموجِ حیات سے
بلا سے سخت ہی سہی یہ امتحاں چلے چلو

ہو سر پہ بارشِ ستم، مگر رکو نہ اک قدم
ہزار ٹوٹتی ہے برقِ بے اماں چلے چلو

جو عزم اُستوار ہے تو فتح ہمکنار ہے
کرو نہ بھول کر شکست کا گماں چلے چلو

یہ کیا جھجک کے رہ گئے بلند و پست دہر سے
مجاہدانہ مثلِ رودِ نغمہ خواں چلے چلو

ہیں ہمتیں اگر یہی ملیگا گوئے دوست بھی
نہ ہو گا یہ جنونِ شوق رائگاں چلے چلو

قریں ہے منزلِ طرب گذر چکا ہے دورِ شب
افق سے جلوہ سحر ہوا عیاں چلے چلو

دو چند ہو یہ ولولہ مجاہدانِ قافلہ
یونہی ہوئے ہیں کامگار و کامراں چلے چلو

نہیں ہے جورِ آسماں کی اصل جز خیال کچھ
بجز خیال کیا ہے جورِ آسماں چلے چلو

بشر جہاں ہو جا گزیں کچھ ایک خاکداں نہیں
ہیں چشم انتظار در خاکداں چلے چلو

فسردہ ہو نہ جائے دل ہو بانگِ نغمہ متّصل
ترانہ زن چلے چلو سرود خواں چلے چلو
ہو جس مقام سے گذر بہشتِ نو ہو جلوہ گر
برنگِ موسمِ بہار گل فشاں چلے چلو
مٹاؤ خوف و حزم کو بڑھاؤ پائے عزم کو
تمہارے دم سے ہے ثباتِ کارواں چلے چلو
پئے فلاحِ روزگار سعیٔ پے بہ پے کریں
جہاتِ شرق و غرب کو مثال ابر طے کریں

اعتبار

صبح کے روئے دل آرام سے مایوس نہیں
یعنی ہیں تیرگیٔ شام سے مایوس نہیں
عہدِ شیریں کوئی آئے گا یقیناً کہ یہ دل
تلخیٔ گردشِ ایام سے مایوس نہیں
پیکِ دل دار کی مشتاق ابھی تک ہے نگاہ
شرفِ نامہ و پیغام سے مایوس نہیں
فرقتِ یارِ گل اندام سے ہوں صورتِ خار
جلوۂ یارِ گل اندام سے مایوس نہیں
کرمِ ساقیٔ دوراں سے وہی ہے امید
بادہ کشِ مرحمتِ جام سے مایوس نہیں
ابرِ عرفاں ہے ابھی دل کی فضاؤں پہ محیط
بارشِ نغمۂ الہام سے مایوس نہیں

تا بکے رنگ نہ لائے گا مرا نغمۂ خاص
روشِ زمزمۂ عام سے مایوس نہیں

چند کرنیں سی ہیں گھنگھور گھٹاؤں میں ہنوز
زندگی کثرتِ آلام سے مایوس نہیں

پھونک دوں گا یہ جہانِ قفس و دام اک روز
اس جہانِ قفس و دام سے مایوس نہیں

گرمِ اعلانِ حقائق ہے مری شانِ عقل
ہاں نہیں فتنۂ اوہام سے مایوس نہیں

ڈال سکتا ہوں نئے قصرِ تمدن کی بنا
عصرِ ماضی کے در و بام سے مایوس نہیں

رازِ ہستی کہ ازل سے ہے سراسر ابہام
ہمتِ فکر اس ابہام سے مایوس نہیں

ہے مری تیشہ زنی خلق کو پیغامِ ثبات
کوہ کن ہوں مگر انجام سے مایوس نہیں

لطمۂ موج کہ از بحرِ جہاں نیست مرا
می تواں گفت کہ تخلیق روا نیست مرا

~~~~~~~~~~~~

بسمل ہے

بس غزل کے ڈھنگ میں کہتا رہا رودادِ غم
اور مجھے اک عالمِ نغمہ خواں سمجھا کیے سب
درد اپنا پا لیا سے کم عہدِ جوانی نکلا
ہائے نہ پائی جب سمجھا تھا وہ فانی نکلا
~~~~~~~~~~~~

جوانی

اے جوانی اے سراپا قوتِ عزم و عمل
ہیں ترانوں سے ترے گونجے ہوئے دشت و جبل

الاماں وہ جوش جو مضمر تری فطرت میں ہے
وسعتِ آفاق تیرے قبضۂ قدرت میں ہے

تیرا رخشِ تندرو واقف نہیں آرام سے
بحر و بر ہیں لرزہ براندام تیرے نام سے

ہے جہاں سرگرمِ جولانی تری ہمت وری
ٹھوکروں میں ہے وہاں دارائی و اسکندری

حیرتی ہوں کن جہانوں تک رسائی ہے تری
یہ زمیں کیا آسمانوں تک رسائی ہے تری

تو جدھر چاہے عنانِ عزم و ہمت موڑ لے
خوشۂ پرویں فرازِ آسماں سے توڑ لے

تو وہ رہرو ہے گذر جس کا ہے ہر اک راہ سے
کھیلتی ہے تیری فطرت خطرۂ جانکاہ سے

اپنی ضربِ تیشہ کی قوت سے ہے آگاہ تو
کوہ کو کہتی ہے از راہِ تمسخر کاہ تو

ہر مہم سخت کو ہے کھیل تو سمجھے ہوئے
بحرِ بے پایاں کو ہے اک آبِ جو سمجھے ہوئے

کس غضب کا ولولہ ہے کس بلا کی ہے امنگ
بازیٔ طفلانہ ہے تیرے لیے صیدِ نہنگ

شورشِ طوفاں خوشی کا راگ ہے تیرے لیے
بسترِ گل ہر دہکتی آگ ہے تیرے لیے
تو ہے اور ہر ابتلائے مرگ ساماں کا مذاق
موجِ قلزم سے تمسخر برق و باراں کا مذاق
کیا ڈرا سکتے ہیں تجھ کو شعلہ ہائے تیزِ جنگ
ہے تجھے اک مضحکہ ہنگامۂ خوں ریزِ جنگ
تو یہ کہتی ہے کہ جامِ انگبیں ہے جامِ مرگ
ایک استہزا ہے تیرے واسطے پیغامِ مرگ
اس ترے ہنسنے کے قرباں کیا نڈر ہنستی ہے تو
سطوتِ شاہنشہی پر بے خطر ہنستی ہے تو
خوف کے شعلوں کی تجھ تک آنچ آتی ہی نہیں
داستانِ گرمیٔ دوزخ ڈراتی ہی نہیں
یہ تو مانا حسن کے خنجر سے ہے مجروح تو
عشق کے افسانہائے درد کی ہے روح تو
عشق مثلِ آتشِ افسردہ ہے تیرے بغیر
بلکہ یوں کہیے یہ عالم مردہ ہے تیرے بغیر
عشق کے شعلے کو پیہم تیز تر کرتی ہے تو
قلبِ انساں کشورِ برق و شرر کرتی ہے تو
تو ہے جب تک ہر مصیبت جھیلتا ہے آدمی
عشق کی گرم آندھیوں سے کھیلتا ہے آدمی
تو ہی جب تک دیکھتے ہیں ہم سمن زارونمیں حسن
کاخ و کو میں حسن کی تنویر بازاروں میں حسن
تو نہ ہو تو دہر میں جز سوگواری کچھ نہیں
لالہ و گل کچھ نہیں بادِ بہاری کچھ نہیں
تو نہ ہو تو یہ زمیں یہ آسماں تاریک ہے
مہر و مہ تاریک ہیں، سارا جہاں تاریک ہے
تو کہاں ہے تو کہاں ہے اے جوانی ہند کی
اے جوانی ہند کی، اے کامرانی ہند کی

تو نہیں تو ایک گورستاں ہے اپنی سرزمیں
وجہِ ننگ عالمِ انساں ہے اپنی سرزمیں

یہ جہانِ ہند کی تاریک صورت الاماں
یہ غلامی، یہ غلامی کی کہولت الاماں

ایک عالم پھر سُنے شورِ نوائے انقلاب
تو اگر اس دیس میں آئے تو آئے انقلاب

یہ تغافل تابکے اس خاکداں میں لوٹ آ
اے جوانی لوٹ آ، ہندستاں میں لوٹ آ

ایک وجہِ سکون تھی دلِ بیتاب کے لیے
تجھ سے ملنے کی آس [illegible]

[illegible]
[illegible]

آزاد انصاری

اُٹھ گیا دہر سے کہتے تھے جسے جانِ سخن
آج بے کیف سا ہے دورِ خمستانِ سخن

کیوں غم انگیز نہ ہو رنگِ سخن دانیٔ ہند
کشورِ ہند سے رخصت ہوا آقائے ہند

شور ہے اک صفِ دوراں سے سدھارا آزاد
کہتے تھے اہلِ سخن جس کو ہمارا آزاد

مسندِ شعر ہوئی صدر سے خالی صد حیف
اُٹھ گیا وارثِ خم خانۂ حالی صد حیف

جس کے ہر نغمہ سے تھی شعلہ بیانی پَیدا
عہدِ پیری سے بھی تھا عہدِ جوانی پَیدا

آپ کو خدمتِ اُردو میں مٹایا جس نے
کاخِ اردو کو بہر نوع سجایا جس نے

جس کے ہر شعر پہ اربابِ جہاں جھوم گئے
وہ غزل اس نے کہی کون و مکاں جھوم گئے

شعر تھا اس کا قدامت کو پیامِ تجدید
آہ وہ مردِ مبصر، وہ امامِ تجدید

رتبۂ نظم، کیا، کیا ہی دوبالا اس نے
تازہ اسلوبِ نگارش کا نکالا اس نے

معنیٔ ہمتِ آدم کو سمجھتا تھا وہ
اک تمسخر خلشِ غم کو سمجھتا تھا وہ

جادۂ حافظِ شیراز پہ تھا اس کا قدم
"بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم"

تو ہے کس دیس میں اے روحِ رواں اُردو
آج ویراں نظر آتا ہے جہانِ اردو

سرزمیں غالبؔ و مومنؔ کی نہ یاد آئیگی کیا
کھینچ کر الفت دہلی نہ تجھے لائے گی کیا

قسمتِ بزمِ جہاں کیا نہیں پیغام ترا
کیا رہے گا یہ جہاں تشنۂ الہام ترا

منزلت ریختہ کی کیا نہ بڑھائے گا تو
اس چمن میں گلِ تازہ نہ کھلائے گا تو

قید کیا رسم و تعلق کی اٹھا دی تو نے
دل سے کیا اُلفتِ احباب بھلا دی تو نے

تو وہاں ہے کہ جہاں اب تجھے پانا ہی محال
تو وہاں ہے کہ ترا لوٹ کے آنا ہے محال

اس جہنم کدۂ ہند سے کب شاد تھا تو
چل دیا اور ہی عالم میں کہ آزاد تھا تو

ستارے

اُن سے اظہارِ شوق کر نہ سکا
عدم التماس نے مارا

جلوۂ دوست ہے حالانکہ ابھی زیرِ نقاب
وہ تجلی ہے کہ حیران ہے ساری دنیا

وطن

سرورِ دیدہ و دل عالمِ دیارِ وطن
ہزار خلد در آغوش ہے بہارِ وطن

وطن کا جب لبِ شاعر پہ نام ہوتا ہے
تو اک حدیثِ محبت کلام ہوتا ہے

فضائے دل سے وفاؤں کے راگ اٹھتے ہیں
تمام عشق کے جذبات جاگ اٹھتے ہیں

اگر جہاں میں مذاقِ حیات پست نہیں
وہ آدمی ہی نہیں جو وطن پرست نہیں

وطن کے سرو وسمن کی ادائیں کیا کہنا
وطن کے باغ، وطن کی ہوائیں کیا کہنا

بہشت زا ہیں وطن کے بلند و بالا کوہ
نہ پوچھ کیا ہیں وطن کے بلند و بالا کوہ

ہر ایک حسنِ سراپا ارے معاذاللہ
وطن کے چشمہ و دریا ارے معاذاللہ

وطن کا روپ ہے ہر ایک لا کلام عزیز
وطن کی صبح ہے دلکش، وطن کی شام عزیز

عزیز سب کو وطن کی ہیں چاندنی راتیں
پسند اپنے چمن کی ہیں چاندنی راتیں

برس رہی ہے پیاپے شراب کیا کہنا
وطن میں دل کشیٔ آفتاب کیا کہنا

وطن کا چاند، وطن کے نجوم اچھے ہیں
وطن کے پھولوں کو جی بھر کے چوم اچھے ہیں

ہُوا کرے یہ جہاں پُرحسیں نگاروں سے
ہے عشق اپنے وطن ہی کے ماہ پاروں سے

سپردِ خاکِ وطن ہوں خوشی کی بات ہی موت
جو ایسی شکل میں آئے تو پھر حیات ہی موت

تمھاری ذات سے ہی برقرار شانِ وطن
مجاہدانِ وطن، اے دلاورانِ وطن

تمھارے عزمِ دلیرانہ کا بیاں تاریخ
تمھاری فرض شناسی کی داستاں تاریخ

ہو فردِ جوش میں، ہمت میں بےمثال ہو تم
وطن کے لال ہو تم، ہاں وطن کے لال ہو تم

تمھیں کو فاتحِ میدانِ جنگ کہتے ہیں
غریب دیس کی ناموس و ننگ کہتے ہیں

فضائے عرصہ گہِ جنگ، کھیل ہے تم کو
عدوئے ملک کا چورنگ، کھیل ہے تم کو

قسم ہے تم کو وطن کے حسیں نظاروں کی
قسم ہے گنگ و جمن کے حسیں کناروں کی

تمھیں بلندیٔ کوہِ ہمالہ کی سوگند
عروج مندیٔ کوہِ ہمالہ کی سوگند

قسم ہے جرأتِ روزِ مصاف کی تم کو
قسم ہے خنجرِ اژدر شگاف کی تم کو

تمھیں وطن کی تمنائے آبرو کی قسم
جو تیغ زن تھے ان اسلاف کے لہو کی قسم

وطن کی اپنے بہر نوع لاج رکھنا تم
وطن کے فرقِ منور پہ تاج رکھنا تم

نوائے وقت

نوعِ انسانی ہے جس کے جبرِ پیہم کی شکار
چاہتا ہوں میں وہ آئینِ جہاں برہم کروں

بجلیوں کے ہیں شرارے جسکی تار و پود میں
وہ ہلاکت کا جہاں، وہ آشیاں برہم کروں

رہزنانِ عافیت کا یہ منظم کارواں
عافیت کے رہزنوں کا کارواں برہم کروں

وہ ستم توڑوں نہنگانِ جہاں بھی چیخ اٹھیں
یہ صفِ عیشِ نہنگانِ جہاں برہم کروں

خونِ انسانی سے ہی رنگین جس کا ہر ورق
عالمِ تہذیب کی وہ داستاں برہم کروں

دیکھ ہے کیا اتحادِ جسم و جاں شر آفریں
کیوں نہ ایسا اتحادِ جسم و جاں برہم کروں

عرصۂ ہستی ہو اس کے بیذق و فرزیں پہ تنگ
یہ بساطِ فتنۂ عہدِ رواں برہم کروں

اس جہانِ اندک و بسیار کو کردوں تباہ
فردِ فردِ دفترِ سود و زیاں برہم کروں

مے سمجھ کر پی رہا ہے جو غریبوں کا لہو
وہ طرب کا مجمعِ جنت نشاں برہم کروں

جگمگاتے قصر وایوں کو ملا دوں خاک میں
ساز و سامانِ غرورِ این و آں برہم کروں

پینے والوں میں یہ کیسا امتیازِ خاص و عام! — توڑ دوں جام و سبو بزمِ مغاں برہم کردوں
نظمِ گیتی ہو نہیں سکتا ہے کارِ ابلہاں — فرشِ گیتی سے ہجومِ ابلہاں برہم کردوں
یک قلم آفاق کو کردوں سبکسارِ ملال — اک سرے سے لشکرِ رنج گراں برہم کردوں

وقت ہوں میں اک جہانِ نو بسانا ہے مجھے
اس دہکتی آگ کو گلشن بنانا ہے مجھے

ہو مبارک تجھکو دورِ عیش و گلبانگِ نشاط — عصرِ نو آتا ہے اے امیدوارِ عصرِ نو
نالہ کش ہے آج جو اس کارگاہِ دہر میں — کل اسی کو دیکھنا تو کامگارِ عصرِ نو
آج دنیا بندۂ مزدور کہتی ہے جسے — بالیقیں ہوگا وہی کل شہریارِ عصرِ نو
عہدِ حاضر کو نہیں ہے قدر جن نغمات کی — کل وہ سمجھے جائیں گے پروردگارِ عصرِ نو
مہرِ عالمتاب کہتا ہے زمانہ جس کو آج — کل کہے گا اس کو جامِ زرنگارِ عصرِ نو
دیدۂ انساں میں پھر جائیگی تصویرِ بہشت — کیف ساماں اس قدر ہوگی بہارِ عصرِ نو
زندگی کا نام ہوگا اک بہارِ مستقل — زندگی ہوگی نشاطِ پائیدارِ عصرِ نو
صبح ہوگی عصرِ نو کا عارضِ گیتی فروز — شام کہلائے گی زلفِ مشکبارِ عصرِ نو
سر خمیدہ عجز سے ہو جائے گا چرخِ بلند — دیکھکر اوجِ کلاہِ افتخارِ عصرِ نو

ارتقائے ابنِ آدم سے ستاروں کا جہاں — کیا تعجب ہے جو کہلائے غبارِ عصرِ نو
اعتبارِ عشرتِ میخواریٔ جمشید کی قسم — غیرتِ جم ہو گا ادنےٰ بادہ خوارِ عصرِ نو

رنگ عالم را چہ می پرسی چساں خواہد شدن
خاک را حاصل وقارِ آسماں خواہد شدن

آج کانٹے ہیں اگر تیرے مقدر میں تو کیا — کل ترا بھر جائیگا پھولوں سے دامن غم نہ کر
تو نظر آتا ہے جس زنجیرِ آہن میں اسیر — ٹوٹ جانیکو ہے وہ زنجیرِ آہن غم نہ کر
اک نیا عہدِ محبّت آسماں لانے کو ہے — متحد ہو جائینگے شیخ و برہمن غم نہ کر
میں نے مانا آج سونی سی ہے تیری بزمِ دل — کل یہ ہوگی غیرتِ وادیٔ ایمن غم نہ کر
منزلِ مقصود ہے ہر چند مثلِ ہفتخواں — گر سلامت ہے تری ہمت کا توسن غم نہ کر
دیکھتا ہے آج جس گلشن کو تو وقفِ خزاں — تازہ کیسا، تازہ تر ہوگا وہ گلشن غم نہ کر
پھر نشاطِ تازہ کا پیغام لائیگی بہار — پھر چمن میں بلبلیں ہونگی نوازن غم نہ کر
قطرہ اِک دن بحر بن جائیگا خونِ دل نہ پی — دانہ کو تیرے ملیگی شانِ خرمن غم نہ کر
نکتۂ تعمیر پنہاں ہے ہر اک تخریب میں — بجلیاں ہیں طرحِ اندازِ نشیمن غم نہ کر
چشمِ بینا ہے تو غم کی غایتِ پنہاں کو دیکھ — شامِ ظلمت ہے دلیلِ صبحِ روشن غم نہ کر

اک نیا عالم دکھائے گا کلیمِ عصرِ نو
گرمِ رخصت ہی یہ عہدِ سامری فن غم نکر

گل اگر اک شمع ہوتی ہی ہوائے دہر سے
سینکڑوں اسکی جگہ ہوتی ہیں روشن غم نکر

اک عہدِ تازہ آیا چاہتا ہے جام اُٹھا
غم نہ کر اے مائلِ فریاد و شیون غم نہ کر

اس قدر شاداب ہو جائے گی کشتِ زندگی
یہ جہاں کہلائے گا اک دن بہشتِ زندگی

ستارے

ہے بجا آپ کا اے حضرت واعظ ارشاد
میں ہی کافر ہوں مسلماں ہے ساری دنیا

بارک اللہ اسے ہوا سے چمن
دل قفس میں ہے باغ باغ میرا

رقص بہار

پھر بہار آئی ہے پھر خلقِ خدا ہی رقص میں — لالہ و گل رقص میں، ابر و ہوا ہے رقص میں
دیدنی ہے دیدنی یہ عالمِ رقصِ حیات — زندگی ہے رقص میں سر تا بپا ہی رقص میں
جھومتی ہے آسماں پر اس طرف رہ رہ کی برق — اُس طرف اک اودی اودی سی گھٹا ہے رقص میں
آ رہی ہے دھوم سے پیہم صدائے پائے کوب — جشنِ سرمستی ہے سارا میکدہ ہے رقص میں
شیخ و صوفی پر بھی ہیں چھائے ہوئے آثارِ کیف — شیخ و صوفی کا جہانِ اتقا ہے رقص میں
وسعتِ کون و مکاں کو دیکھتا ہوں گرمِ رقص — اس طرح اک لعبتِ کافر ادا ہے رقص میں
اور ہی عالم ہے طاری حسنِ فطرت دیکھ کر — نغمہ برلب شاعرِ رنگیں نوا ہے رقص میں
کیا طرب انگیز موسم ہے کہ ہر رقصاں ہر ایک — کیا زمانہ ہے کہ ہر شاہ و گدا ہے رقص میں
پھر خوشی سے ناچتی ہے پتی پتی، شاخ شاخ — اس جہانِ خلد ساماں کی فضا ہی رقص میں
دور کیا ہیں اس جہاں سے رنج و کلفت دور تر — یہ جہانِ رنج بے کلفت سرا ہے رقص میں

بھول جا غم کی خلش انگیزیوں کو بھول جا — رقص کر اے دل کہ یہ ارض و سما ہیں رقص میں

وہ بلندی ہو کہ پستی بے گماں پر کیف ہے
بزمِ گیتی از زمیں تا آسماں پر کیف ہے

سرخوشِ رطلِ گراں ہونیکا موسم آگیا — کامگار و کامراں ہونے کا موسم آگیا
کشتیٔ مے کو ملے ساقی رواں ہونے کا حکم — کشتیٔ مے کے رواں ہونے کا موسم آگیا
آگئی اس خاکداں کے چپّہ چپہ پر بہار — دہر کے جنت نشاں ہونے کا موسم آگیا
وہ امنگیں جن سے تھی دامن کشاں روحِ شباب — ان امنگوں کے جواں ہونے کا موسم آگیا
عیش کی طغیانیاں طوفانِ طوفاں جا بہ جا — زندگی کے بیکراں ہونے کا موسم آگیا
سبزۂ نورستہ کا ڈھونڈے نہیں ملتا دماغ — اس زمیں کے آسماں ہونے کا موسم آگیا
ہو مشامِ جاں طرب اندوز وہ رت آگئی — خاک کے عنبر فشاں ہونے کا موسم آگیا
سینۂ ہر اہلِ دل میں جاگ اٹھی روحِ غزل — نغمہ ریز و نغمہ خواں ہونے کا موسم آگیا
اب تو جامِ مے اٹھا اے بندۂ سود و زیاں — فارغِ سود و زیاں ہونے کا موسم آگیا
خیر باد اے ادعائے زہد و تقویٰ خیر باد — ناظرِ حسنِ بتاں ہونے کا موسم آگیا
عشق جس کی کائناتِ ظاہری ہے ایک لفظ — ہاں اسی کے داستاں ہونیکا موسم آگیا

پھوٹ پڑا آفاق پر نسرین و ریحاں بنکے حسن   بزمِ خلوت سے عیاں ہونے کا موسم آگیا
دل ہے اور اک بارشِ الہام رنگیں پے بہ پے   عارفِ کون و مکاں ہونے کا موسم آگیا
پھر یہ حسرت ہے کہ کوئی وارداتِ دل سُنے   وارداتِ دل بیاں ہونے کا موسم آگیا

نو بہار آمد کہ رقصد بر سرِ دیوار گل
سر کشد چوں شعلۂ شمع از درونِ خار گل (غالبؔ)

[illegible]

ساقی نامہ

اِدھر آ تو اے ساقیٔ خوش صفات — کہ ہے تلخ میکش کی تیرے حیات
اِدھر آ کہ ہے شمعِ مے خانہ تو — منوّر کُن بزمِ رندانہ تو
اِدھر آ تو اے زندہ دارِ کرم — کہ قائم ہے تجھ سے وقارِ کرم
ادھر آ کہ تاب و تواں تجھ سے ہے — مرا ذوقِ مستی جواں تجھ سے ہے
ادھر آ کہ سرشارِ مے نوش ہو — گھڑی بھر کو رخصت طلب ہوش ہو
ادھر آ کہ ہوں غرقِ صہبائے حسن — یہ دنیا ہو نظروں میں دنیائے حسن
ادھر آ کہ آتش کو پانی کروں — نئے سر سے حاصل جوانی کروں
ادھر آ کہ افسردگی دور ہو — مرا ہر نفس شعلۂ طور ہو
ادھر آ کہ ذوقِ سخن تازہ ہو — مرا ایک عالم میں آوازہ ہو
اِدھر آ کہ گرمِ تگ و تاز ہوں — پیوں بادہ اور عرش پرواز ہوں

گذشتہ عطاؤں کی تجھکو قسم — مری التجاؤں کی تجھ کو قسم
تجھے اپنے حسنِ جواں کی قسم — بہارِ گل و گلستاں کی قسم
قسم تجھ کو اس چشمِ مخمور کی — قسم کیفِ صہبائے انگور کی
تجھے اپنی زلفِ رسا کی قسم — سرِ کوہ کالی گھٹا کی قسم
قسم تجھ کو اگلی روایات کی — قسم مے سے بھیگی ہوئی رات کی
مرے ذوقِ فطرت نگر کی قسم — تجھے کیفِ حسنِ سحر کی قسم
قسم تجھکو کشتِ گل و لالہ کی — قسم ہے بہشتِ گل و لالہ کی
تجھے مہرِ زریں طبق کی قسم — تجلائے حسنِ شفق کی قسم
قسم تجھ کو ڈھلتی ہوئی دھوپ کی — قسم شام کے سانولے روپ کی
قسم تجھ کو ہر دلکش آہنگ کی — قسم نغمۂ بربط و چنگ کی
تجھے عہدِ شرم و حیا کی قسم — تجھے پاسِ مہر و وفا کی قسم
تجھے میرے رنج و تعب کی قسم — لبِ خشک و جوشِ طلب کی قسم

صبوحی پلا دے کہ بے تاب ہوں
مجھے تو چھکا دے کہ بے تاب ہوں

ٹیگور

خون رو، ہاں خون رو، اے کشورِ ہندوستاں
تجھ سے دامن کش ہوا اک شاعرِ جادو بیاں

وہ نواگر جس کے نغموں کی وطن میں دھوم تھی
بلکہ یوں کہہ دہر کی ہر انجمن میں دھوم تھی

زیبِ سر تھا جس کے ملکِ شعر کی شاہی کا تاج
جس کو تحسیں کا ملا اقوامِ عالم سے خراج

وہ رشی تھا آس جو اپنے جہانِ یاس کی
درس تھا گوتم کا شعریّت تھا کالی داس کی

جھوم کر جب نغمۂ حبِّ وطن گاتا تھا وہ
وسعتِ کون و مکاں کو وجد میں لاتا تھا وہ

مردِ اعظم، شاعرِ رفعت نشاں، جاتا رہا
یعنی اپنی سرزمیں کا آسماں جاتا رہا

زندگی بھارت کی، بھارت کا نواگر اٹھ گیا
نغمہائے عشق و الفت کا نواگر اٹھ گیا

عالمِ انسانیت کا آہ وہ غم خوارِ دل
دہر کا بیدار انساں، دہر کا بیدارِ دل

وہ رہا کوشاں چمن کی رستگاری کیلئے
تھا قوی حجّت وطن کی رستگاری کیلئے

ایشیا کا ماہتابِ ضوفشاں گہنا گیا
آخر اس کو ہند کا رنجِ غلامی کھا گیا

بھولتا عہدِ غلامی میں وہ کیوں کر موت کو
شرم نے ترجیح دی محکومیت پر موت کو

ہند سے رخصت ہوا دلبند ہندستان کا
آہ وہ ٹیگور وہ فرزند ہندستان کا

صفحۂ دل پر ابھی تازہ تھا داغ اقبال کا
سانحہ ہے قہر مرگِ بلبلِ بنگال کا

دیدۂ گنگ آب شارِ خوں بہائے رنج سے
اے ہمالہ اپنے پرچم کو جھکا لے رنج سے

ہم نے مانا اُس کے نغمے تا ابد گائے گا دہر
لیکن اُس عشقِ مجسّم کو کہاں پائے گا دہر

عمرہا[لہ] در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا جہانِ شعر را صورت گرے یابد حیات

لہ اقبال تصرف

عادت نے ذوقِ رہائی [illegible] الفت صیادؔ [illegible] [illegible]

قفس بھی اپنے لیے آشیاں نکل آیا

نصیب اپنے کہاں تھے غریب خانے سے

یہ عرکہ کہاں ... نکل آیا

ہمالہ

اے ہمالہ، اے بلندی کے جہانِ بے نظیر
پوچھتی ہیں رفعتیں تیری مزاجِ چرخِ پیر

عالمِ ایجاد کا سب سے بڑا پربت ہے تو
جس پہ نازاں ہند ہے وہ ہند کی عظمت ہے تو

دیکھ کر تیری بلندی کو نظر حیران ہے
تو وہ دنیا ہے جہاں عقلِ بشر حیران ہے

ایک پُر شوکت زمیں سے آسماں تک سلسلہ
تیری عظمت کا کہاں سے ہے کہاں تک سلسلہ

روزِ اوّل سے یونہی پائندہ شانیں ہیں تری
خندہ زن امواجِ دوراں پر چٹانیں ہیں تری

بامِ دنیا سے ہے اونچی آج تو پروازِ فکر
آفریں صد آفریں اے ہمّتِ شہبازِ فکر

جاننے کی طرح اسرارِ ازل کو جان لوں
چپّہ چپّہ تیرا اے اوجِ ہمالہ چھان لوں

یہ تبسّم حسنِ فطرت کا یہ شانِ زندگی
آج میں سمجھا کہ جنّت ہے جہانِ زندگی

ہر قدم پر دعوتِ نظّارہ کا ساماں ہے حسن
عشق سے اے کاش یہ کہہ دے کوئی عریاں ہے حسن

یہ سحر کا وقت مشرق سے نمودِ آفتاب
لعلِ آتش رنگ کی صورت وجودِ آفتاب

کھینچتی ہے دامنِ دل کو ادا کہسار کی
دیدنی ہے برف باری سے فضا کہسار کی

یہ کہستاں کی زمیں اک آسمانِ نور ہے
ہے بلندیٔ ہمالہ یا جہانِ نور ہے

رسمِ قید و بند سے واقف نہیں ہے یہ جہاں
لکہ ہائے ابر آزادانہ ہیں ہر سو رواں

لو چھپا کر جلوۂ مہرِ درخشاں ابر نے
کر دیا ساری فضا کو کیف ساماں ابر نے

کیا تعجب گر دمِ نظّارہ انساں مست ہے
اپنی کیفیّت سے خود ہی یہ کہستاں مست ہے

دیکھنا کس جوش میں گرمِ سفر ہے آبشار
انقلاباتِ جہاں سے بے خطر ہے آبشار

اہلِ ہمت پر گراں یہ خاکداں کچھ بھی نہیں
یعنی اصلِ انقلاباتِ جہاں کچھ بھی نہیں

تلخیٔ آفاتِ دوراں سے نہ ڈرنا چاہیے
اس جہاں سے صورتِ طوفاں گزرنا چاہیے

اک شکوہِ زندگانی کا سماں وادی میں ہے
ہائے اس دریا کا عالم جو رواں وادی میں ہے

راہ میں دھومیں مچاتا کیف میں بہتا ہوا
جا رہا ہے داستانِ سرخوشی کہتا ہوا

ساتھ اپنے ایک طوفاں آب کا لایا ہے یہ
واہ ری ہمت سرِ کہسار سے آیا ہے یہ

یہ تعیّن سے گزر کر بیکراں کہلائے گا
بحر کی جانب چلا ہے بحر میں مل جائے گا

ہے یونہی انساں کی جوئے زندگانی کا سفر
وقفۂ طفلی و لمحاتِ جوانی کا سفر

زندگی کو کون کہتا ہے فنا انجام ہے
موت اے غافل وصالِ بحر کا اک نام ہے

اپنے مرکز کی طرف پیہم رواں ہے آدمی — جاوداں ہی، جاوداں ہی، جاوداں ہی آدمی
اے جہانِ منتشر، اے عالمِ ہندستاں — تو اگر چاہے تو بن سکتا ہے اک کوہِ گراں
تابکے اے ہند یہ اندازِ خواری تابکے — تیرے ذرّوں کی پریشاں روزگاری تابکے
آسماں آمادۂ کیں ہے جفائیں سخت ہیں — چل رہی ہیں جو زمانے میں ہوائیں سخت ہیں
غور سے سن وقت کا یہ فیصلہ، جو سوئے گا — کچھ گرہ کا کھوئے گا پھر خون دل کا روئے گا
کفر و ایماں کا یہ کپٹنک راگ اے ہندوستاں — ہو بلند از کفر و ایماں، جاگ اُے ہندوستاں
دورِ بے کیفی ہے لا گردش میں جامِ اتّحاد — ہاں سنادے ذرّہ ذرہ کو پیامِ اتّحاد
جو ہیں اک مدت سے ٹوٹے اُن دلوں کو جوڑ دے — ہو ملاپ ایسا کہ زنجیرِ غلامی توڑ دے

کاش ہو عظمت تری محکم ہمالہ کی طرح
ہو بلندی پر ترا پرچم ہمالہ کی طرح

ستارہ

تمام عالمِ کیف و تمام چھین لیا
یہ کیا کیا مرے ہاتھوں سے جام چھین لیا

غلاموں کی دُنیا

بے عمل، بے آب و تابِ زندگی بے ننگ و نام
جس کے انسانوں کو ننگِ عالمِ انساں کہیں
دیکھ ہے کیا صفحۂ عبرت غلاموں کا جہاں
یہ وہ عالم ہے جہاں عشرت کی ارزانی نہ ڈھونڈ
رہنے والے اس زمیں کے مرکزِ آلام ہیں
کارگاہِ دہر میں تقدیر کے ہیٹے ہیں یہ
ان کو کیا معلوم کس صورت سے جینا چاہیے
انکو کیا معلوم ہے ہستی کا نصب العین کیا؟
ان کو کیا معلوم کیا ہے شیوۂ مردانِ کار
ان کیا معلوم کیا ہے عظمتِ خاکِ وطن

آہ وہ دنیا جہاں کے رہنے والے ہوں غلام
کہنے والے زندگی کا جس کو گورستاں کہیں
سر بسر اک عالمِ ظلمت غلاموں کا جہاں
عیش کوشی عیش رانی عیش سامانی نہ ڈھونڈ
یہ وہ صہبا نوش ہیں جن کے شکستہ جام ہیں
جنکی جنت چھن چکی آدم کے وہ بیٹے ہیں یہ
کس طرح بے منّتِ اغیار پینا چاہیے
یہ جہاں کہتا ہے آزادی کسے، ہے چین کیا
آدمی کیونکر بدل دیتے ہیں رنگِ روزگار
چاہتی ہے کیا فغانِ سینۂ چاکِ وطن

ان کو کیا معلوم کیا ہے منزلت انسان کی
یہ غلامی کو سمجھتے ہیں صفت انسان کی

ان کو کیا معلوم کیا ہوتا ہے احساسِ خودی
آدمیت کے لیے لازم ہے کیوں پاسِ خودی

ان کو کیا معلوم اس عالم کی آقائی ہے کیا
یہ سمجھتے ہی نہیں پربت ہے کیا رائی ہے کیا

ان کو کیا معلوم کیا ہیں طرۂ تاج و کلاہ
زندگانی ہے غلاموں کے تخیل میں گناہ

ان کو کیا معلوم یہ عالم بہارِ عیش ہے
ان کی دنیائے غلامی سوگوارِ عیش ہے

ان کو کیا معلوم کیا ہے رزمِ طوفانوں کی تھا
ان کو دیکھا ہی نہیں پُرجوش ارمانوں کی تھا

زندگی ہے جس کی شکلِ موت اُس عالم کو دیکھ
دیکھنے والے غلاموں کے جہانِ غم کو دیکھ

ہے بظاہر عالمِ زندہ، مگر زندہ نہیں
اِس کے سینے میں شرارِ زیست تابندہ نہیں

انتہائے خواب کے سانچے میں ہے ڈھالی ہوئی
ہے یہ دنیا موت کے آغوش کی پالی ہوئی

ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا نشانِ انقلاب
دُور ہے اس سرزمیں سے کاروانِ انقلاب

گردشِ ایام کا کچھ زور چلتا ہی نہیں
حشر بھی آئے تو یہ عالم بدلتا ہی نہیں

شام کی ظلمت کو اندازِ سحر آتا نہیں
یہ وہ دنیا ہے جسے کوئی ہنر آتا نہیں

آدمی اس سرزمیں پر ہے ہلاکِ بندگی
یعنی فرضِ زندگی ہے انہماکِ بندگی

خواجگی کا تابعِ احکامِ انساں ہے یہاں
بندگی کہتے ہیں جس کو اصلِ ایماں ہو یہاں

جانتا ہے بندگی کو نیک نامی الاماں
الاماں! اے جہلِ دنیائے غلامی الاماں

آہ! ذہنیّت یہ دنیائے جہالت خیز کی
کوہ کن کو فکر ہے خوشنودئ پرویز کی

اس جہاں کے کاخ و کو میں شاہراہوں میں غلام
مسجدوں میں، مندروں میں، خانقاہوں میں غلام

لب پہ خواب آور ترانے ہیں ارادے پست ہیں
اس جہاں کے نغمہ پیرا و سخن ور مست ہیں

جن کے آبا مفتخر تھے اس عالمِ ایجاد کے
ان کے بچوں کی گذر ٹکڑوں پہ ہے صیّاد کے

ایک ہی عالم میں شیخ و برہمن پاتا ہوں میں
کوئی ملّت ہو غلامی کا چلن پاتا ہوں میں

وہ غلامی جس سے ہو بے نور ہستی کا چراغ
ہوش جس کے نام سے رخصت ہو مختل ہو دماغ

وہ غلامی خود شناسی سے جو بیگانہ کرے
آپ کو کھو کر طوافِ شمع پروانہ کرے

وہ غلامی ننگِ انساں کا عدو جسکو کہیں
دشمنِ ناموس، ایماں کا عدو جسکو کہیں

وہ غلامی واہ ہو تبدیل جس سے آہ میں
فرق جو باقی نہ رکھے ضیغم و روباہ میں

وہ غلامی جس سے ہو ہر نشۂ ہستی ہرن
گل سے ہو نکہت گریزاں، روح سے خالی ہو تن

وہ غلامی جو مٹا دے ہر نمایاں شان کو
قوم کا تکیہ بنا دے قوم کے ایوان کو

وہ غلامی جو نشاطِ زندگانی چھین لے
ملتِ محکوم سے ہمت، جوانی چھین لے

وہ غلامی جس سے بہرِ منزلت رکنا پڑے
حکمراں کے سامنے محکوم کو جھکنا پڑے

شہر یارِ دہر کا اندازِ خواری ہائے ہائے
ابن آدم اور یہ خدمت شعاری ہائے ہائے

خاک میں غلطاں ہو فرِّ آدمیت کی کلاہ
اے زمیں تاریک ہو اے آسماں ہو جا سیاہ

مے بدہ ساقی کہ سوئے عالم بالا پرم
تا کجا ایں رنگِ دنیائے غلاماں بنگرم

ستارے

جب تو ہے اصلِ جلوہ تو پھر کیسے حور و خلد
امتحاں نہیں ہے تو پھر امتحاں ہے کیا

عہدِ آزادی سے چرخِ کینہ پرور جب گزر گیا
گرمیِ پرواز کیا آئی ہر اک پر جب گزر گیا

عزمِ شاعر

شاعر ارضِ مشرق پر طائرانہ نظر ڈالتا ہے :-

فروغِ داغِ جگر بن کے چھاؤں گا اک دن
ضیائے مہر کو تارے دکھاؤں گا اک دن

بہشتِ تازہ بنے گی ہر اک زمینِ سخن
روش، روش پہ نئے گل کھلاؤنگا اک دن

لہو سے اپنے نکھاروں گا کشتِ مشرق کو
پھر اس کو رنگِ جوانی پہ لاؤنگا اک دن

نظر سے خلق کی گر جائے گی بلندیٔ چرخ
وہ اوجِ خاکِ وطن کا بڑھاؤنگا اک دن

وہ جبر نام ہے جس کا غلامیِ انساں
فنا کی گود میں اسکو سلاؤں گا اک دن

وہ ارضِ تشنہ جہاں موت کو ترستے ہیں
وہاں حیات کے دریا بہاؤں گا اک دن

مرے کلام کی گرمی کو رائگاں نہ کہو
جہانِ ظلم پہ بجلی گراؤں گا اک دن

دلیلِ جادۂ پستی ہے عجز انساں کا
اسے غرور کے آئیں سکھاؤنگا اک دن

یہ رنگ ونسل کے زنداں یہ غیریت کی حصار
مٹاؤں گا انھیں اک دن مٹاؤنگا اک دن

سماج اپنے گھروندے سے ہوشیار رہے
پکار دو کہ میں طوفاں اٹھاؤں گا اک دن

سیاہ دیکھو گے سرمایہ دار کی دنیا
چراغِ قصرِ امارت بجھاؤں گا اک دن

عطا کروں گا وہ انوارِ شامِ محنت کو
جوابِ صبحِ درخشاں بناؤں گا اک دن

ہی جن قباؤں میں کُھل کھیلتی گنہ گاری
میں ان قباؤں کے پُرزے اڑاؤنگا اک دن

جہاں سے محو کروں گا اثر ندامت کا
نئے خیال کی دنیا بساؤں گا اک دن

وہ ذرے جھینپتے ہیں آج جو ستاروں سے
انھیں کو مہرِ فروزاں بناؤں گا اک دن

جمالِ شاہدِ معنٰے کو پوجنے والو
نقابِ شاہدِ معنٰے اُٹھاؤں گا اک دن

ہے میرے شعر کی تقدیر میں جہانگیری
تمام عرصۂ عالم پہ چھاؤں گا اک دن

ابھی نہیں یہ جہاں مجھ سے روشناس نہالؔ
میں کون ہوں یہ جہاں کو بتاؤنگا اک دن

ہندوستاں

الٰہی مسکنِ بے آبرو ہے آشیاں میرا
فلاکت کا جہنم ہے کہ ہے ہندوستاں میرا

یہ خطّہ وہ نمونہ ہے فلک کی ظلم رانی کا
کہ جھونکا تک نہیں آتا نسیمِ شادمانی کا

یہاں انسان محکومی سے رشتہ جوڑ لیتا ہے
یہاں اقبال فرطِ غیظ سے منہ موڑ لیتا ہے

یہاں کی زندگی آغوشِ مجبوری میں پلتی ہے
یہاں چلتی ہے جب موجِ نفس رُک رُک کے چلتی ہے

تحیّر میں ہوں آخر کیا کہوں اس نکتہ دانی کو
یہاں کے رہنے والے موت کہتے ہیں جوانی کو

یہاں افلاس کے مارے ہوئے انسان ہنستے ہیں
یہ وہ ہیں جو سرودِ زندگی کو نالہ کہتے ہیں

حسیں چہرے یہاں کے فرطِ غم سے زرد پاتا ہوں
یہ وہ آئینے ہیں جن پر غبارِ گرد پاتا ہوں

جسے دیکھو نظر آتا ہے شاکی ناتوانی کا
تخیل تک یہاں معدوم ہے زورِ جوانی کا

یہاں قحطِ علوئے عزم و ہمت ہے جوانوں میں
زمینوں کے خصائل دیکھتا ہوں آسمانوں میں

یہاں کے بیکس و مجبور عالم کی ہیں تصویریں
وہ انساں ہمّتیں جنگی ہیں زنگ آلودہ شمشیریں

یہاں کی صحتیں بیماریوں کا رنگ رکھتی ہیں — یہاں کی آبروئیں اعتبارِ ننگ رکھتی ہیں
یہاں کی صبح ہمرنگِ شبِ دیجور ہوتی ہے — یہاں کی ظلمتوں سے روشنی کافور ہوتی ہے
جو دیکھی ہے یہاں وہ خانماں سوزی نہیں دیکھی — زمانے میں کہیں ایسی سیہ روزی نہیں دیکھی
یہاں ہے آدمی کا آدمی دشمن ارے توبہ — جنوں ہے اپنے ہی خرمن میں آتش زن ارے توبہ
عداوت میں یہاں کی سرزمیں ہے آسماں یا رب — محبت ہے کہاں یا رب، مروت ہے کہاں یا رب
یہ رسوائی کہاں تک ملت و مشرب کے پردے میں — رہینگی تا بکے خونباریاں مذہب کے پردے میں
کہاں تک خونِ انسانی سے رنگیں تیغِ کیں ہوگی — کہاں تک رزمگاہِ کفر و ایماں یہ زمیں ہوگی
کہاں تک یہ ستم آرائیاں ایذا پسندوں کی — کہاں تک پیروی کیجائیگی یارب درندوں کی
کہاں تک نالۂ پیہم شعارِ آدمیت کا — کہاں تک خم رہے گا سر وقارِ آدمیت کا
کہاں تک جذبۂ پیکار جوش اپنا دکھائیگا — کہاں تک آدمی کو آدمی سے خوف آئے گا
کہاں تک یہ عداوت کی ہوائے گرم آئیگی — کہاں تک شیوۂ اہلِ وطن پر شرم آئے گی
کہاں تک اپنے ہاتھوں آپ تدبیریں غلامی کی — کہاں تک پائے آزادی میں زنجیریں غلامی کی
کہاں تک رنگِ محکومی شعارِ زندگی اپنا — کہاں تک اس روش پر کاروبارِ زندگی اپنا
کہاں تک مایۂ عشرت تباہی دین و ایماں کی — کہاں تک ہند میں سوداگری ناموسِ انسانی کی

کہاں تک مشقِ صلح و جنگ غیروں کے اشارے پر
کہاں تک زندگی بیگانہ خوؤں کے سہارے پر

رہیگا ان کڑکتی بجلیوں میں آشیاں کبتک
یہی ہندوستاں ٹھہرا، تو پھر ہندوستاں کبتک

الٰہی کامرانِ زندگی کر مُردہ جانوں کو
بدل دے نغمۂ عیشِ بہاراں سے خزانوں کو

سوادِ شب کو رنگِ صبحِ نورانی عطا فرما
اندھیری بستیوں کو جلوہ ارزانی عطا فرما

جہنم زار کو غیرتِ دہِ باغِ جناں کر دے
بہاریں جس قدر ہوں قسمتِ ہندوستاں کر دے

عطا کر دولتِ احساسِ بیداری خیالوں کو
جگا دے سونیوالوں کو، جگا دے سونیوالوں کو

یہ خطہ نغمہ خوانِ عظمتِ آدم نظر آئے
نئے ہندوستاں میں اک نیا عالم نظر آئے

ہر ایک دلمیں ہو محشر آفریں ارماں ترقی کا
اٹھا یارب دیارِ ہند سے طوفاں ترقی کا

عبارت زندگانی جس سے ہو وہ آگ پیدا کر
وطن کے ساز سے حبِ وطن کا راگ پیدا کر

پھر ان افتادہ ذرّوں کو مذاقِ ارجمندی دے
الٰہی سربلندی دے الٰہی سربلندی دے

مٹا دے اس زمیں سے کاوشِ دیر و حرم یارب
ہم آغوشِ ہمالہ کر محبت کا علم یارب

وطن میں جذبۂ اہلِ وطن کا نام ہو جائے
محبت عام ہو جائے، محبت عام ہو جائے

اٹھائے فطرتِ انساں ستم کیونکر غلامی کا
جھکا دے سر غلامی کا، جھکا دے سر غلامی کا

شکستہ ہمتوں میں ہوں نئی پھر ہمتیں پیدا
تپش خوردہ بیابانوں سے کر دے جنتیں پیدا

ہو ارضِ ہند جولانگاہِ عظمت اُن جوانوں کی
زمیں پر رہ کے جو ہستی نہ سمجھیں آسمانوں کی

جواں جو آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھیں تختِ شاہی کو
گدائی جن کی شرمائے غرورِ کجکلاہی کو

جواں جو اپنی عشرت گاہ ہر دشت و جبل سمجھیں
جواں جو اک تمسخر سے بھی کم زعمِ اجل سمجھیں

جواں جو خوابِ غفلت سے جگا دیں خاکِ مشرق کو
جواں جو حشرِ بیداری بنا دیں خاکِ مشرق کو

ہم آہنگِ جہنم تا بکے یارب جہانِ ما
جوابِ نغمۂ فردوس کن ہندوستانِ ما

بسمل

یہ میرے رنگِ رُخ نے کی نہ ہو اُلفت میں غمازی
زبانِ قصہ خواں تک کیوں مرا افسانہ آ پہنچا

ابرِ بہار کی یہ فسوں کاریاں تو دیکھیے
زاہد اسیرِ ذوقِ مے و جام ہو چلا

بھکارن کی دنیا

دُور اہلِ زر کے ہر کاشانۂ عشرت سے دُور
اک بھکارن راہ میں بیٹھی تھی بارِ غم سے چور

جس کے غم آلودہ چہرے سے عیاں تھی مفلسی
کچھ نہ کہنے پر بھی گرم داستاں تھی مفلسی

مفلسی وہ جس کو کہیے دشمنِ عز و وقار
جس کے سائے سے لرزتا ہے شکوۂ تاجدار

مفلسی وہ جو مکمل نقش ہے ادبار کا
ظلمتیں جس کی مٹائیں طنطنہ انوار کا

مفلسی وہ جو بھلا دیتی ہے حقِ ناموس کا
جس کے ہاتھوں چاک ہوتا ہے ورق ناموس کا

مفلسی وہ جو غمِ بے مائگی کا راگ ہے
فقر کا دوزخ فلاکت کی دہکتی آگ ہے

مفلسی وہ جو مٹا دیتی ہے شانِ زندگی
آدمیت کو ترستا ہے جہانِ زندگی

وہ بھکارن ورطۂ افلاس کی ماری ہوئی
رنج میں ڈوبی ہجومِ یاس کی ماری ہوئی

گود میں اپنے لیے بیٹھی تھی اک ننھا سا لال
مفلسی کا اور اس ننھی سی ہستی پر وبال

دوپہر وہ موسمِ گرما کی آتش ریز دھوپ
ہر طرف لُو کے تھپیڑے ہر طرف تھی تیز دھوپ

وہ ہوائے شعلہ ساماں ہر طرف چلتی ہوئی
گرم سورج کی شعاعوں سے زمیں جلتی ہوئی

خاک کے تپتے ہوئے ذرّوں پہ ہوتا تھا گماں
خاک کے دامن میں تھا اک آگ کا دریا رواں

جوشِ آزادی سے وہ بڑھتے ہوئے گرد و غبار
سوئے گردوں دمبدم چڑھتے ہوئے گرد و غبار

جسکے تیور دیکھ کر آئے ہوئے اوسان جائیں
گرم رو آندھی کی وہ لحظہ بہ لحظہ سائیں سائیں

الغرض قہرِ مجسم تھا وہ گرما کا شباب
التہابِ محض کیا، بلکہ جہانِ التہاب

چھتریوں کے سائے میں کچھ آ رہے تھے راہرو
چھتریوں کے سائے میں کچھ جا رہے تھے راہرو

اور وہ بے کس زمانے کے مصائب کی شکار
اک ردا رکھتی تھی سر پر جا بجا سے تار تار

بختِ برگشتہ سے راحت آفریں سایہ نہ تھا
آرزو سایہ کی تھی لیکن کہیں سایہ نہ تھا

وہ بھکارن کہہ رہی تھی اے الٰہ العالمیں
ایکہ تیرے قبضۂ قدرت میں ہے روئے زمیں

ہے جہاں تیرا جہنم ہم غریبوں کے لیے
کوئی راحت ہی نہیں ہے بدنصیبوں کے لیے

دھوپ سے اس ننھی مُنّی جان کو کیونکر بچاؤں
جاؤں اے دنیا کے مالک ہاں بتا کس سمت جاؤں

اس تپش سے امن پائے گا مرا دل بند کیا
مختصر سی اک جگہ دیدینگے دولت مند کیا

ان کو میری خستہ حالی پر ترس آئیگا کیا
کوئی ان اہلِ دول سے رحم فرمائے گا کیا

میرے بیکس لال پر ہوگی عنایت کی نظر
کیا اسے انسان سمجھیں گے خداوندانِ زر

مفلسوں پر یہ خداوندِ زر روتے ہیں کیا
عیش کو شانِ ارم درد آشنا ہوتے ہیں کیا

اور اگر ایسا نہیں دستور اے بارِ الٰہ
کیا غریبوں کے لیے یہ زندگانی ہے گناہ

کیا امیروں پر ہی تیرے لطف کے انبار ہیں
کیا یہی خس خانہ و برف آب کے حقدار ہیں

کیا امیروں کے لیے ہی جگمگاتے قصر ہیں
اہل زر ہی کیا فقط راحت کشانِ عصر ہیں

بادکش کی ہیں انھیں کے واسطے ٹھنڈی ہوائیں
کہ یہ جب چاہیں جہنم کو بھی جنت کر دکھائیں۔

عیش کے شایاں امیروں ہی کے ہیں نورِ نظر
اور طوفانِ فلاکت کو مرا لختِ جگر

ختم کر یارب یہ اندازِ زمانہ ختم کر
دہر سے سرمایہ داری کا فسانہ ختم کر

تا کجا عہدِ فلاکت بدنصیبوں کے لیے
یہ جہاں جنت بنا دے ہم غریبوں کے لیے

~~~~~~~~~~

سناٹے

یارب رہِ حیات اور اس درجہ مختصر
یہ فاصلہ ختم ہے [illegible]
سر الفت ہیں [illegible]
پیمانِ قرار [illegible]
~~~~~~~~~~

سری کرشن

زندگی تھی پائمالِ جبر و استیلائے ظلم
دوسرے الفاظ میں یہ دہر تھا دنیائے ظلم

چل رہی تھیں رُبعِ مسکوں میں ہوائیں ظلم کی
مطلعِ انسانیت پر تھیں گھٹائیں ظلم کی

ہستیِ فانی پر اپنی ناز فرماتا تھا ظلم
کبر و نخوت کی ہواؤں میں اُڑا جاتا تھا ظلم

تیرہ و تار اس قدر تھی انجمن انصاف کی
ڈھونڈھنے پر بھی نہ پیدا تھی کرن انصاف کی

نرغۂ باطل تھا ہر سو برچھیاں تانے ہوئے
کنس تھا اپنی ہی ہستی کو خدا جانے ہوئے

انتظارِ جلوۂ حق میں تھا طُور زندگی
ابنِ آدم بھول بیٹھا تھا شعورِ زندگی

آگہی سے حل نہ ہوتا تھا معمائے حیات
تشنۂ ابرِ کرم تھا یعنی صحرائے حیات

قطرگی کو دعوۂ پہنائیِ دریا نہ تھا
ذہنِ انساں معنیٔ توحید سے بیگانہ تھا

دیدۂ اہلِ جہاں میں لغو تھے افکارِ عشق
ہو چکی تھی سرد پہلوئے عمل میں نارِ عشق

تھا کبھی جو خوب آتا تھا نظر ناخوب سا
عشق اپنی پستیٔ عظمت پہ تھا محجوب سا

پیکرِ بے روح سا یہ عالمِ اسباب تھا ‌ ‌ ‌ دیدہ ور کے واسطے حسنِ جہاں بیتاب تھا
آگیا پھر حسن دنیائے اجسل آباد پر ‌ ‌ ‌ زندگی منڈلا سے بر سی عالمِ ایجاد پر

کائناتِ جزو کل کا رازداں پیدا ہوا
مختصر یہ ہے کہ آقائے جہاں پیدا ہوا

حسن بن کر عرصۂ عالم پہ چھائی زندگی ‌ ‌ ‌ آئی اور بھرپور رعنائی پہ آئی زندگی
سبزہ کو جوشِ نمو سے لہلہانا آگیا ‌ ‌ ‌ پھر بہارِ لالہ و گل کا زمانا آگیا
تھا نقاب افگندہ ہر جلوہ نظر کے سامنے ‌ ‌ ‌ اک نیا عالم دکھایا گردشِ ایام نے
نور سے معمور ظلمت خانۂ آدم ہوا ‌ ‌ ‌ کس تجمل سے طلوعِ نیرِ اعظم ہوا
جس قدر پردے جہالت کے تھے سارے ہٹ گئے ‌ ‌ ‌ ظلم و استبداد کے تاریک بادل چھٹ گئے
قطرہ اس کی بارشِ الطاف سے طوفاں ہوا ‌ ‌ ‌ فاش انسانوں پہ رازِ ہستیٔ انساں ہوا
اس نے سمجھایا کہ بحرِ بیکراں ہے زندگی ‌ ‌ ‌ عارضی اس کو نہ کہنا جاوداں ہے زندگی
رشتۂ انفاسِ ہستی ٹوٹنے والا نہیں ‌ ‌ ‌ جس کے دانے ہوں پراگندہ یہ وہ مالا نہیں
وہم باطل نقش بندِ حلقۂ صیاد ہے ‌ ‌ ‌ زندگی ورنہ فنا سے مطلقاً آزاد ہے
رہنمائے ظلمتِ آفاق ہے قندیلِ فرض ‌ ‌ ‌ زندگی کی غایت و مقصود ہے تکمیلِ فرض

ہے بقائے عالمِ امکاں بقائے فرض سے
زندگی کی شان کھلتی ہے ادائے فرض سے

ذرہ کو ہمپایۂ آسماں کرتا ہے فرض
بلکہ یہ کہہ فرش سے عرش آشیاں کرتا ہے فرض

موت کے فقراتِ باطل میں نہ آنا چاہیے
موت سے آنکھیں ملا کر مُسکرانا چاہیے

دل کو آزادِ خیالِ رامشِ انجام کر
کام کر، اے خاک کے پتلے جہاں میں کام کر

کیوں ہراساں ہے فنا سے تو فنا کچھ بھی نہیں
موت اک نقلِ مکانی کے سوا کچھ بھی نہیں

بے نیازِ حق کہاں تک حق سے رشتہ جوڑ دے
توڑ دے، یہ قلعۂ اوہامِ باطل توڑ دے

کون کہتا ہے رہینِ خطرۂ صیاد رہ
کارگاہِ دہر میں آزاد رہ، آزاد رہ

ربطِ محکم ہے میاں عابد و معبود عشق
آفرینش گاہِ آب و گل کا ہے مقصود عشق

عشق ہے آفت گہ دوراں سے سامانِ نجات
عشق والوں ہی کو کچھ حاصل ہے عرفانِ نجات

چشم بینا ہو تو اس آفاق میں عریاں ہے حسن
انتہائے حسن ہے، یہ جلوۂ یزداں ہے حسن

چھوڑ کر ذرّوں کو موتی رول اے ہندوستاں
سوئیگا تا چند آنکھیں کھول اے ہندوستاں

بیکراں ہو اپنی ہی موجوں میں بہنا سیکھ لے
سیکھ لے قلزم صفت آزاد رہنا سیکھ لے

نوحۂ اقبال

سوگ میں ڈوبی ہوئی ہے آج پھر دنیائے ہند ۔۔۔ بنگیا ہے ہند اک ماتم کدہ اے وائے ہند
سرنگوں علم و ادب کا پرچمِ اقبال ہے ۔۔۔ ہر لبِ پیر و جواں پر ماتمِ اقبال ہے
تھا جو آگاہِ رموزِ شعر و حکمت چل بسا ۔۔۔ جسکو کہتا تھا جہاں نبّاضِ فطرت چل بسا
لیلیٰ مشرق سے کہدو زلف کو برہم کرے ۔۔۔ شاعری ہو چاک، داماں فلسفہ ماتم کرے

می چکد سیلابِ خوں از دیدۂ گریانِ ما
این چہ قہر آورد بیدادِ فلک بر جانِ ما

جانشینِ غالبِ رنگیں نوا کس کو کہیں ۔۔۔ اٹھ گیا اقبال فخرِ ایشیا کس کو کہیں
زندگی کے رازِ سربستہ کو سمجھائیگا کون ۔۔۔ عالمِ تاریک میں شمعِ خودی لائیگا کون
کس کی فکرِ نکتہ رس دے گی پیامِ انقلاب ۔۔۔ کس کے ہاتھوں آئیگا گردش میں جامِ انقلاب

کون طبعِ سادہ مزدور کا غم کھائے گا
کون فکرِ خواجگی پر طعنہ اب فرمائے گا

کون اٹھے گا جہاں کی کارسازی کے لیے
کسکے لب وا ہونگے درسِ شاہبازی کیلیے

کسکی درویشی کریگی سطوتِ سلطاں سے جنگ
معرکہ آرا رہے گا کون بے تیغ و تفنگ

سعی فرما کون ہوگا شادکامی کے لیے
کون مرہم لائے گا زخمِ غلامی کیلیے

کس کو خوں رلوائے گا عہدِ زوال اسلام کا
آخری دم تک کسے ہوگا خیال اسلام کا

ایک مدت سے رہینِ خواب ہے تقدیرِ شرق
ہوگی کسکے جذبۂ بیدار سے تعمیرِ شرق

کون اب ہم سے کہے گا وارداتِ عشق کو؟
کون اب پلوائے گا آبِ حیاتِ عشق کو؟

کسکے ذہن و فکر ہونگے کاشفِ ایمائے عشق؟
کون سمجھا جائے گا پیغمبرِ دنیائے عشق؟

سرخوشِ پیمانۂ رومی کہو اب کون ہے؟
وارثِ خم خانہ رومی کہو اب کون ہے؟

کس کو اب جائیں، کسے اب ہم کہیں غمناکِ ہند
کس لیے خاموش ہے کچھ بول بھی اے خاکِ ہند

رحمتِ حق تیری روحِ پاک پر ہو بے شمار
اے حکیمِ وقت، اے ملکِ سخن کے تاجدار

اک جہاں کو زندگی کا رازداں تونے کیا
زندگی کی آگ کو شعلہ فشاں تونے کیا

جس میں پنہاں ایک جہانِ تازہ کی تشکیل تھی
تیری صوتِ نغمہ تھی یا صورِ اسرافیل تھی

خوابِ غفلت سے جگاتا تھا تن آسانوں کو تو   ہوش کی گویا پلا دیتا تھا دیوانوں کو تو

یورشِ غم تو نے سمجھی باعثِ شانِ حیات   کھیل تھا تیری نگاہوں میں یہ طوفانِ حیات

تھی نہ دنیائے سکوں میں دل کشی تیرے لیے   عزمِ سیرِ بحر و بر تھا زندگی تیرے لیے

گرمِ نظارہ کبھی تو ماہ پاروں میں رہا   ماہ پاروں سے نکل کر چاند تاروں میں رہا

زندگی تیری نظر میں عرصۂ پیکار تھی   نغمۂ دل کش تجھے تلوار کی جھنکار تھی

تھا ترا پیغام، انساں فاتحِ دوراں بنو   قطرہ کیوں بنتا ہے، یہ دریا بنو طوفاں بنو

تیری جوئے زندگی کس شان سے بہتی رہی   موت کو تیری زباں حرفِ غلط کہتی رہی

تیز تھا کس درجہ تیرے دل میں احساسِ خودی   پاسِ ایماں کی طرح تجھ کو رہا پاسِ خودی

نغمۂ بلبل سے صحنِ باغ خالی ہو گیا   تو ہوا رخصت کہ رخصت آج حالی ہو گیا

گرچہ اپنے فن میں ہے استاد صیادِ اجل   ہستیٔ شاعر مگر پھر بھی ہے آزادِ اجل

ضامنِ عمرِ ابد، فکرِ فلک پیمائے تست
بر بساطِ شعر و حکمت تا قیامت جائے تست

انسان

مہر و مہ میرے لیے ہیں، کہکشاں میرے لیے　　گرم ہے یہ محفلِ سیّارگاں میرے لیے
یہ زمیں میرے لیے ہے، آسماں میرے لیے　　خلق کی قدرت نے بزمِ دو جہاں میرے لیے

وسعتِ گیتی ہی میری سلطنت سلطاں ہوں میں
عرش و کرسی تک رسائی ہے مری انساں ہوں میں

ہوں وہ میکش عالمِ امکاں ہے میخانہ مرا　　مہر و مہ کی شکل میں چلتا ہے پیمانہ مرا
جامِ کوثر کی زباں سے سُن لے افسانہ مرا　　ہے لبِ کرّو بیاں پر ذکر مستانہ مرا

لالہ و گل ہی نہیں ہیں ساغری کیواسطے
حُوریانِ خُلد ہیں ساقی گری کیواسطے

کون کہتا ہے فقط ترکیبِ آب و گل ہوں میں　　چشمِ عرفاں کے لیے اسرار کا حامل ہوں میں
الغرض جس رنگ میں ہوں دیکھنے کے قابل ہوں میں　　محفلِ ہستی کی شاہد رونقِ محفل ہوں میں

جسکی شانِ دلفریبی میرے دم سے تازہ ہے
چار دانگِ صحنِ امکاں میں مرا آوازہ ہے

ہوں زمیں پر ہوں تخیل ہے فلک پیما مرا
کاشفِ اسرارِ فطرت ہے لبِ گویا میرا

کائناتِ ہست ہے دھندلا سا اک نقشہ مرا
اصل تو یہ ہے کہ دم بھرتی ہے یہ دنیا مرا

شورشِ ہستی مری ہنگامۂ پیغامِ کن
نام نامی ہے مرا سرنامۂ پیغامِ کن

نام ہے میرا ازل سے سرخوشِ صہبائے عشق
میری فکرِ نکتہ رس ہے واقفِ ایمائے عشق

ہوں وہ عاشق ہے تصرف میں مری دنیائے عشق
حسن میری مملکت ہے اور میں دارائے عشق

مجھ پہ روشن من وعن احوالِ مہر و ماہ ہے
آسمانوں کی بلندی میری جولانگاہ ہے

کاروانِ ارتقا کا مقتدا کہیے مجھے
رہروانِ زندگی کا رہنما کہیے مجھے

جوہرِ آئینۂ لوحِ قضا کہیے مجھے
بے تکلف مظہرِ شانِ خدا کہیے مجھے

ہیں مسخر بحر و بر بھی دیکھیے لہنا میرا
کہتے ہیں انسان مجھ کو واہ کیا کہنا مرا

اوجِ گردوں پر ہیں گرمِ سیر طیارے مرے
دیکھتا ہے آسماں حیرت سے نظارے مرے

اس علوئے عزم پر ہیں نغمہ خواں تارے مرے
مہر و مہ کہلائے جاتے ہیں جگر پارے مرے

حکمبرداروں میں میرے غرب بھی ہے شرق بھی
ہے تصرّف میں مرے موجِ ہوا بھی برق بھی

تنگدل کیوں ہوں جفائے گردشِ دوراں سے میں
کام لے سکتا نہیں کیا ہمّتِ انساں سے میں

ہمّتِ انساں کے ہوتے کیا ڈروں طوفاں سے میں
کھیلتا رہتا ہوں گردابِ بلا ساماں سے میں

وہ سفینے ہیں مرے جنکی جہاں میں دھاک ہے
سینۂ قلزم مری ہمّت وری سے چاک ہے

اس خمستانِ جہاں میں ہوں امیرِ میکدہ
میکدے والے مجھے کہتے ہیں پیرِ میکدہ

لغزشِ مستانہ میری دستگیرِ میکدہ
ہوئے رندانہ میں پنہاں ہے ضمیرِ میکدہ

سرخوشِ صہبائے فطرت کون ہے میں ہی تو ہوں
قاسمِ انعامِ قدرت کون ہے میں ہی تو ہوں

پیکرِ منصور ہوں میں قطبِ جیلانی ہوں میں
مادّی ہستی ہے لیکن کیفِ روحانی ہوں میں

کیفِ روحانی نہیں، اک امرِ ربّانی ہوں میں
کہیے جسکو زندۂ جاوید وہ فانی ہوں میں

ہیں نہاں معنائے ہست و بُود میرے نام میں
آدمی کہتے ہیں لیکن اصطلاحِ عام میں

ڈر نہیں زہر آبِ غم کی تلخکامی سے مجھے
عار ہے ابنائے دوراں کی غلامی سے مجھے

پختہ مغزِ عشق ہوں کیا خطرہ خامی سے مجھے
نسبتیں حاصل ہیں اک ذاتِ گرامی سے مجھے

اپنے منصب کو کسی صورت گنوا سکتا نہیں
جان دے سکتا ہوں لیکن سر جھکا سکتا نہیں

~~~~~~~~

سپاس

ہائے وہ عالم نہ تھے جب آشنائے آرزو
کشتیِ ہستی میں اک سادہ ورق تھا دل نہ تھا
یا اب اسی طرح سے کہے جاتے نامہ آ
یا اب نہ اختتام کو پہنچے پیامِ دوست
~~~~~~~~

غالب

ایکہ تو ہنگامہ سازِ گرمئِ آواز تھا
ایک عالم جس سے گونج اٹھا وہ تیرا ساز تھا

تھا جو ننگِ فکر اندازِ کہن تیرے لیے
اک نئی پیدا ہوئی طرزِ سخن تیرے لیے

جزو میں کل انجمن آرا نظر آیا تجھے
یعنی ہر قطرے میں اک دریا نظر آیا تجھے

یہ ہوا معلوم تیری رفعتِ تخئیل سے
نطقِ شاعر ہمنوا ہوتا ہے یوں جبریل سے

مرتبے بالا ہوئے خلقت سے تیری فرش کے
باز تھے تیرے تخیل پر دریچے عرش کے

جو ترے شایانِ شاں ہے بیگماں کہیے تجھے
زیب دیتا ہے جو معنی کا جہاں کہیے تجھے

کم نظر سمجھا کیے الفاظ کی جادو گری
تھی مگر مسلک میں تیرے شاعری پیغمبری

کس قدر ہشیار تیرا عالمِ رندانہ تھا
لب پہ پیغامِ عمل تھا ہاتھ میں پیمانہ تھا

تو وہ تھا میخانۂ عالم میں مستِ جامِ عشق
ہر بنِ مو تھا ترا مصروفِ وردِ نامِ عشق

عشق کیا ہے خلق کو پیغام ہے توحید کا
دوسرے الفاظ میں یہ نام ہے توحید کا

بلبلِ ہندوستاں، اے گونجنے کے ہمنوا — تو نہیں زندہ مگر پیغام ہے زندہ ترا
تیرے اندازِ نگارش سے نمایاں دُر تھا — یوں دمِ تقریر تو گوہر فشانِ دُر تھا
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں — خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں
عہدِ سابق سے زیادہ آج تو مشہور ہے — تیری صہبائے سخن سے کل جہاں مخمور ہے
تیرا ممنونِ کرم ہے گلستانِ ریختہ — بڑھ گئی برگ و ثمر سے تیرے شانِ ریختہ
فخر ہے گر نغمۂ خیام پر ایران کو — تیرا دیواں مایۂ نازش ہے ہندستان کو
تیرے سوزِ نغمہ سے ہے گرم سازِ ایشیا — ہند ہی کیا بلکہ تو ہے وجہِ نازِ ایشیا
وسعتِ آفاق پر ہے آج تو چھایا ہوا — حال مستقبل میں نکلا تیرا فرمایا ہوا

شہرتِ شعرم بگیتی بعدِ من خواہد شدن
ایں مے از قحطِ خریداری کہن خواہد شدن

اے نوجوانو

اے نیزہ بازو، اے سیف رانو — اے ہمتوں کی سنگیں چٹانو
معمارِ دوراں اپنے کو جانو — وہ کر کے چھوڑو جو دل میں ٹھانو
اے نوجوانو — اے نوجوانو

ہمت کا اپنی سکہ بٹھاؤ — آفاق کے ہر گوشے پہ چھاؤ
فتح و ظفر کا پرچم اڑاؤ — زورِ جوانی ہاں آزماؤ
اے نوجوانو — اے نوجوانو

کیوں غیر کا ہو احسان گوارا — کافی ہے تم کو اپنا سہارا
ہو ولولوں کا زوروں پہ دھارا — مشرق تمھارا، مغرب تمھارا
اے نوجوانو — اے نوجوانو

یہ کاخِ نیلی، یہ چاند تارے — عالم اور اسکے دلکش نظارے

کرتے ہیں گویا پیہم اشارے — ہم سب تمہارے، ہم سب تمہارے
اے نوجوانو — اے نوجوانو

تم جس کے آگے قیصر شہی ہو — ایسا جلالِ ہمت وری ہو
تم تک رسائی کیوں موت کی ہو — تم زندگی ہو، تم زندگی ہو
اے نوجوانو — اے نوجوانو

کوہِ گراں کو تم کچھ نہ سمجھو — بحرِ رواں کو تم کچھ نہ سمجھو
نہ آسماں کو تم کچھ نہ سمجھو — دورِ زماں کو تم کچھ نہ سمجھو
اے نوجوانو — اے نوجوانو

طوفاں اگر ہے ہستی تو کیا غم — پُرشور ہے یہ بستی تو کیا غم
عشرت نہیں گر سستی تو کیا غم — ہے ولولوں کی مستی تو کیا غم
اے نوجوانو — اے نوجوانو

چرخِ کہن سے جنگ آزما ہو — برقِ چمن سے جنگ آزما ہو
دیوِ محن سے جنگ آزما ہو — ہرا ہرمن سے جنگ آزما ہو
اے نوجوانو — اے نوجوانو

اُلفت کی گنگا ہر سُو بہا دو	بغض و حسد کا قصہ چُکا دو
ہر تیرگی کو اذنِ فنا دو	مہر و وفا کی شمعیں جلا دو
اے نوجوانو	اے نوجوانو

ہو جلوہ فرما پھر شاد کامی	خاکِ وطن ہو تم سے گرامی
ہندوستاں کے بنجاؤ حامی	ناپید کر دو رسمِ غلامی
اے نوجوانو	اے نوجوانو

آیا ہے زد میں برقِ تپاں کی	لازم نہیں کیا فکر آشیاں کی
تم پر نظر ہے سارے جہاں کی	تم آبرو ہو ہندوستاں کی
اے نوجوانو	اے نوجوانو

تا چند فخرِ سرمایہ داری	کب تک ستم کی یہ ہرزہ کاری
ہیں اشکِ چشمِ دہقاں ہی جاری	خاموش کیوں ہے غیرت تمھاری
اے نوجوانو	اے نوجوانو

یہ ارضِ نکبت پھر کامراں ہو	پھر عظمتوں کا دریا رواں ہو
دُور اس چمن سے دورِ خزاں ہو	ہندوستاں پھر جنّت نشاں ہو

اے نوجوانو   اے نوجوانو

ہمّت طلسمِ مشکل کشا ہے   ہمت کے آگے مشکل ہی کیا ہے

ہمّت کاشہ پرِ ہما ہے   ذی ہمتوں کا حامی خدا ہے

اے نوجوانو   اے نوجوانو

ستارے

سرکی نقابِ عارضِ گیتی فروز سے
نکلا حجابِ ابر سے ماہِ شبِ سامر دوست
پھیلی ضیائے شمس جہے یوں ترے پہلو بیچ حضور
رہتا نہیں دمِ سحر شمع کے رخ پہ جیسے نور

نمودِ سحر

خمار تاب شکن ہے پلا پلا ساقی　　نیاز مند ہوں شانِ کرم دکھا ساقی
نہیں کچھ اس کے سوا اور مدعا ساقی　　وہ مے جسے کہیں ماءُ الحیات لا ساقی

کچھ آج زورِ طبیعت کو آزمانا ہے
مجھے طلوعِ سحر کا سماں دکھانا ہے

لیے جلو میں وہ اک دورِ نو سحر آئی　　ہے دہیمی دہیمی چراغوں کی لَو سحر آئی
عمل کناں ہے ہر اک سمت ضو سحر آئی　　خوشی سے کیوں نہ کہے راہرو سحر آئی

طلوعِ مہر سے اُبھری سرشتِ لالہ و گل
ہے جاں فروز ہوائے بہشتِ لالہ و گل

اُفق سے اک شہِ زریں کلاہ آتا ہے　　ہے جسکا زُلہ رُبا حسنِ ماہ آتا ہے
شہِ یگانہ ہے با فرّ و جاہ آتا ہے　　یہ دھوم ہے کہ وہ گیتی پناہ آتا ہے

جہاں میں نیّرِ اعظم کا فیض عام ہوا
نئی بساط بچھی ، دورِ شب تمام ہوا

یہ وہ گھڑی ہے سماں پُربہار ہے جسکا
یہ وہ گھڑی ہے اثر غم شکار ہے جسکا
یہ وہ گھڑی ہے کہ عالم سے پیار ہو جسکا
یہ وہ گھڑی ہے لقب نور بار ہو جسکا

مُراد بخشِ گداؤ امیر کہتے ہیں
اسی کو پرتوِ ربِّ قدیر کہتے ہیں

جواں ہو کے نئی شان سے عیاں ہونا
جہان پیر مبارک تجھے جواں ہونا
سرُود و سُور کے عالم میں مے چکاں ہونا
پھر اس کے بعد یہ تیرا طرب فشاں ہونا

ہر اک پھول سے کیوں بُو نہ آئے مستی کی
ہوا ہے میکدہ بر دوش باغ ہستی کی

کسی کی شانِ جمالی یہاں وہاں دیکھیں
کہاں ہیں اہلِ نظر رنگِ گلستاں دیکھیں
جو دیکھنے کے مناظر ہیں سبکو ہاں دیکھیں
شگوفے دیکھیں، ثمر دیکھیں، ڈالیاں دیکھیں

چمک نہ بجلی کی کچھ رعد کا نہ کڑکا ہے
چمن ہے نغمۂ بلبل ہے اور تڑکا ہے

نگہ اُٹھا دل وارفتہ جانبِ کہسار ‫ ‫ نمودِ صبح کے ہیں اور ہی یہاں انوار
وہ چشمے آب کے نظارگی ہو جن پہ نثار ‫ ‫ زبانِ حال سے صلِّ علیٰ کہے سو بار

جگہ جگہ ہے لطافت سے اک بہار جدا
ہجومِ سبزہ جدا، شورِ آبشار جدا

ہوائے سیر مجھکو اڑا لائی تا لبِ گنگ ‫ ‫ یہاں بھی نورِ سحر کا ملاحظہ ہو ڈھنگ
وہ نغمہ ریز ہیں موجیں کہ ہوں خجل دف و چنگ ‫ ‫ کنول کے پھولوں سے ساحل ہے صفحۂ ارژنگ

سواری آنے کو کس حسنِ بے حجاب کی ہے
کہ دیھی روشنی قندیلِ ماہتاب کی ہے

قدم کو روک لے اے عزمِ بادیہ پیما ‫ ‫ کہ پیارا پیارا نظر آ رہا ہے کل صحرا
سہانا وقت ہے اور جاذبِ نظر ہے فضا ‫ ‫ نظر فریب وہ عالم ہو روح جس پہ فدا

وہ آیا شحنۂ خور مشرقی عماری ہیں
رشی مُنی ہوئے مشغول حمدِ باری ہیں

خیال دیکھیے لایا ہے اب کے بار کدھر ‫ ‫ عیاں ہے گورِ غریباں کا سامنے منظر
اِدھر ہے دفن فریدوں اُدھر ہے اسکندر ‫ ‫ پڑے ہیں زیرِ زمیں کیسے کیسے صاحبِ فر

نہیں یہ خاک کے ڈھیروں پہ قطرے شبنم کے
بہائے دیدۂ گردوں نے اشک ہیں غم کے

دلیلِ حق کے لیے آیتِ عیاں ہے سحر
نکاتِ ضو ہوں بیاں جس سے وہ زباں ہے سحر
خوشی کی، غم کی، برابر مزاجداں ہے سحر
خلاصہ یہ ہے کہ فطرت کی ترجماں ہے سحر

سحر نہ ہو تو کہاں حسن یہ معانی کا
رواجِ دہر سے اٹھ جائے نکتہ دانی کا

تمنا ہے

دل میں خیالِ سلطنت لائیں ترے فقیر کیا
اس سے کہیں بلند ہے عشق کی فطرتِ غیور

رہیں دنیا میں کیوں رنجِ قفس سے سرگراں ہوکر
اجل منظور لیکن آئے خوابِ آشیاں ہوکر

سحر

طلوعِ آفتاب

اُفق سے وسعتِ گیتی کو چمکاتا ہوا نکلا — وداعِ تیرگی کا حکم فرماتا ہوا نکلا
اُڑا کر لے گئیں تھیں رات کی تاریکیاں جسکو — وہ پھر اس پر چسمِ زریں کو لہراتا ہوا نکلا
اندھیری بستیوں پر کھولدیں راہیں تجلی کی — طلسمِ ظلمتِ دَوراں سے ٹکراتا ہوا نکلا
گلوں پر، گلبنوں پر، وادیوں پر، کوہساروں پر — تمامی عرصۂ آفاق پر چھاتا ہوا نکلا
اُلٹ کر پردہ رُخ جیسے کوئی شعلہ رُو نکلے — ردائے تیرہ یوں چہرے سے سرکاتا ہوا نکلا
وہ اس کا شرق سے تا غرب فیضانِ ضیاپاشی — کہے تو اک بساطِ نور پھیلاتا ہوا نکلا
محبت سے ہر اک پیر و جواں کی اُٹھ گئیں نظریں — ہر اک پیر و جواں کے دل کو پرچاتا ہوا نکلا
نہ چھوڑا حلقۂ زہاد کو بھی کیف سے خالی — شرابِ سُرخ کچھ اس طرح چھلکاتا ہوا نکلا
ہوا اس عالمِ خاکی میں فیضِ زندگی جاری — ہر اک ذرہ میں روحِ تازہ دوڑاتا ہوا نکلا
کیا تھا سرد جس جوشِ عمل کو راحتِ شب نے — پھر اُسکو سینۂ انساں میں گرماتا ہوا نکلا

زمیں کے بسنے والے کو دیا درسِ فلک گیری
عروجِ زندگی کا راز سمجھاتا ہوا نکلا

حیا آئی ہوا جب ضو فگن ارضِ غلامی پر
دیارِ ہند سے نکلا تو شرماتا ہوا نکلا

درخشاں جس سے ہے پہلا ورق تاریخِ انساں کا
اُسی افسانۂ ماضی کو دُہراتا ہوا نکلا

زمانِ تیرہ شب را پیامِ انقلاب آمد
جہاں ہنگامہ زارِ خرمی شد آفتاب آمد

بہارِ تازہ ہے گرمِ نمائش بوستانوں میں
طیورِ گلستاں مصروف ہیں رنگیں ترانوں میں

نیا عالم نظر آتا ہے سورج کے نکلتے ہی
کہاں وہ دلکشی گزری ہوئی شب کے فسانوں میں

ہے طوفاں زمزموں کا اک لبِ مُرغانِ گلشن پر
مسرت ہی مسرت موجزن ہے آشیانوں میں

طلوعِ مہرِ عالمتاب سے ہیں شادماں میکش
مئے عشرت کے ساغر چل رہے ہیں خمستانوں میں

اجل کی نیند سے ہمدوش تھی جنکی گراں خوابی
سُبک رو ہیں جہادِ زندگی کے امتحانوں میں

رگوں میں جوش زن ہیں ولولے تسخیرِ عالم کے
جوانی کی امنگیں جاگ اٹھیں نوجوانوں میں

یہ پیہم اقتضا ہے تازگی عزم و ہمت کا
اُٹھا کر پستیاں رکھدیں نہیں کی آسمانوں میں

نظر آتے ہیں سرگرمِ مشقت کشت زاروں کے
وہ دہقاں جو ہیں تنظیمِ جہاں کے پاسبانوں میں

تخیل مطمئن ہوتا نہیں اگلے حقائق پر
نمایاں جذبہ تحقیق تو ہے نکتہ دانوں میں

ہر اک ہنگامہ آرائی جدھر دیکھو جہاں دیکھو
صلائے زندگی ہے شاہراہوں میں مکانوں میں

طلوعِ روزِ روشن سے ہیں سرگرمِ عمل ایسے
نئی اک جان گویا آگئی افسردہ جانوں میں

غرض اس عرصۂ گیتی پہ انساں ہوں کہ چوپائے
ثناخوانِ شہِ خاور ہیں سب اپنی زبانوں میں

فروغِ تازہ قسمت شد جہانِ کہنہ آئیں را
براوجِ آسماں کو راندہ ہست ایں گوے زریں را

ستارے

مجھے میرے تخیل دوسرے عالم میں رکھا ہے
الگ ہوں میں جہاں سے شاملِ اہلِ جہاں ہو کر

یہاں ہے آرزوئے لب کشائی جب سے میں داخل
جو آئے تیری محفل میں رہے وہ بے زباں ہو کر

شام

سمت مغرب گامزن خورشید ہے آتی ہے شام
مضطرب دنیا میں پیغامِ سکوں لاتی ہے شام

آگئی لو مایۂ تسکین و آرام آگئی
اک جہاں کو انتظارِ شام تھا، شام آگئی

یہ غلط، بالائے گردوں ہے شفق پھولی ہوئی
ہے نظر کے سامنے جنت کوئی بھولی ہوئی

یہ نظارہ چشمِ شاعر کے لیے ہے دیدنی
پردۂ عالم پہ ہے کچھ تیرگی کچھ روشنی

اس دھندلکے سے مگر ظاہر ہوا ایمائے شب
دے رہی ہے اپنے آنے کی خبر لیلائے شب

وقتِ راحت آگیا دنیائے کلفت کیلیے
فرصتِ آرام ہے اربابِ محنت کیلیے

جسطرف اب دیکھیے ہے خامشی چھائی ہوئی
کارگاہِ دہر کو ہے نیند سی آئی ہوئی

وادیاں ساکت ہیں بے آواز ہر اک جادہ ہے
یعنی اس عالم کی جو شے ہے سکوں آمادہ ہے

دم بخود ہے ہر کلی برگ و شجر خاموش سا
گلشنِ ایجاد آتا ہے نظر خاموش سا

شورِ پیہم کی وہ پہلی گرم بازاری نہیں
اور کیا ہے گر جہاں پر بیہشی طاری نہیں

ہو حکومت شام کی "دن کا علم ہے سرنگوں
آبِ دریا کی روانی کو بھی حاصل ہے سکوں

دیکھتا ہوں طائروں کو صف بصف اڑتے ہوئے
اپنے اپنے آشیانوں کی طرف مڑتے ہوئے

ختم ہو منزل کہیں یہ ہر زباں پر ذکر ہے
ہوں وہ چوپائے کہ انساں سب کو گھر کی فکر ہے

روح کو عرفاں کی لہروں میں ڈبوتی ہے اذاں
کتنی وجد انگیز دقتِ شام ہوتی ہے اذاں

صرفِ جنبش ہیں زبانیں حمدِ باری کے لیے
سر خمیدہ ہو گئے طاعت گزاری کے لیے

شام کیا آئی چمک اٹھا جہانِ بت کدہ
دیدہ و دل میں کھبی جاتی ہے شانِ بُت کدہ

سر جھکائے آ رہے ہیں نازکیشانِ جمال
دل میں پوجا کی لگن ہے ہاتھ میں پھولوں کے تھال

دہر میں حاصل کسی کو فارغ البالی نہیں
حسن بھی ذوقِ پرستش سے یہاں خالی نہیں

دلستاں ہر چند ہے نظارۂ حسنِ دیر کا
ترک کیوں کیجیے ارادہ میکدے کی سیر کا

میکدہ کی شام پر کیوں کر نہ ہو ایقانِ صبح
ہے فروغِ بادۂ رنگیں سے پیدا شانِ صبح

کامرانی چپہ چپہ پر تبسم ریز ہے
میکدہ ہے یہ، یہاں بزمِ نشاط انگیز ہے

وَاشْرَبُوا کے امر کی تفسیر میخواروں میں ہے
ولولہ سا ولولہ پیمانہ برداروں میں ہے

کیف ساماں ہیں صدائیں نغمۂ رندانہ کی
ہے کھنک لحظہ بہ لحظہ ساغر و پیمانہ کی

شام آخر ہے سواری آ رہی ہے رات کی
دیکھ لیجیے دیکھتی آنکھوں فضا دیہات کی

آرہا ہے کھیت سے دہقاں تھکا ہارا ہُوا
زندگی سے سرگراں افلاس کا مارا ہُوا

دوش پر ہل کا ہے اِک بارِ گراں رکھے ہوئے
ہے صعوبت گاہِ ہستی کا مزا چکھے ہوئے

صبح سے تا شام وقفِ محنتِ پیہم ہے یہ
فکر اک عالم کی ہے وہ مُحسنِ عالم ہے یہ

چارہ فرمائے جہاں ہو کر بھی لاچاروں میں ہے
حلقۂ سرمایہ داری کے گرفتاروں میں ہے

ہر نفس ہے تلخ تر دورِ زماں اس کے لیے
کم جہنم سے نہیں ہے یہ جہاں اسکے لیے

شکل پژمردہ سی دل میں ایک دنیا یاس کی
چلنے پھرنے والی یہ تصویر ہے افلاس کی

قول ہے اِس کا عذابِ جانستاں ہے زندگی
واقعی اس کے لیے سنگِ گراں ہے زندگی

اک یہی ہے جو خصوصاً مرجعِ آلام ہے
ورنہ سب پر شام کا فیضانِ راحت عام ہے

ستارہ

نہ بدل سکی صعوبت اسے کوہسارِ غم کی
اسی رُخ سے بہ رہا ہے مِری زندگی کا دھارا

برسات

آئی پیغامِ طرب لے کر گھٹا برسات کی
گلشنِ عالم میں چلتی ہے ہوا برسات کی

عیش کی رُت آگئی اہلِ جہاں کی موج ہے
آسماں پر اودے اودے بادلوں کی فوج ہے

کام جملہ خلق کے ان کی دعائیں آگئیں
مدعا حاصل ہوا ٹھنڈی ہوائیں آگئیں

موسمِ گرما کا دورِ آتش افشانی گیا
ہیں غزلخوانی کے دن عہدِ پریشانی گیا

انتہائے سرخوشی میں جھوم کر آتا ہے ابر
ہوش کیسا ہوش سے فارغ نظر آتا ہے ابر

ہوگئی جل تھل زمیں وہ فیضِ عالم گیر ہے
ابر کیا ہے جوشِ سرمستی کی اک تصویر ہے

ہر طرف دریا نظر آتا ہے لہراتا ہوا
شاہراہوں میں ہے اک طوفان سا امڈا ہوا

اور ہی کچھ عالمِ نیرنگ کی اب شان ہے
ہر گرج بادل کی یا برسات کا اذعان ہے

آگئی برسات عہدِ جام و مینا آگیا
منتظر تھے رند جس کے وہ مہینا آگیا

تشنہ کامی سے یہ عالم کس قدر بیگانہ ہے
زاہدِ صد سالہ کے بھی ہاتھ میں پیمانہ ہے

اپنے اپنے رنگ میں ہیں مست سب امیر و فقیر
دہن رہے ہیں مطلعِ انشا پہ ہر برنا و پیر

برق چشمک زن ہو ساقی ابر ہے چھایا ہوا
جام دیدے تو کدھر جاتا ہے مچلا یا ہوا

"میکدے میں"

کون ایسے بیں نہیں ہے میہمان میکدہ
مرجعِ اہل جہاں دیکھا جہانِ میکدہ

حلقۂ پیرِ مغاں میں ہر جوان و پیر ہے
یہ لبِ رندانِ صہبا نوش پر تقریر ہے

جام دے اے ساقیِ فرخندہ پیکر جام دے
تیرے قربان مے کشی کا آج اذنِ عام دے

کیا خبر کل رنگِ عالم یہ رہے یا اور ہو
آج جامِ ارغوانی کا مسلسل دَور ہو

مختلف ہر بادہ کش کا عالمِ رندانہ ہے
ایک پیے خود ایک کے لب سے ملا پیمانہ ہے

میکدہ پر ہی نہیں موقوف سرشاری ہے آج
دہر میں فرمانِ مستی ہر طرف جاری ہے آج

"گل کدے میں"

اللہ اللہ کس قدر دل کش ہے بوئے گل کدہ
بے تکلف دل کھنچا جاتا ہے سوئے گل کدہ

ذوقِ نظارہ کو حسنِ گل زمیں فردوس ہے
دیدۂ ناظر یہ کہتا ہے نہیں فردوس ہے

ٹولیوں کی شکل میں ہیں مہ جبیں بیٹھے ہوئے
کچھ کہیں بیٹھے ہوئے ہیں کچھ کہیں بیٹھے ہوئے

پُر ترنم نغمہ خوانوں سے فضا ہے باغ کی
کیف آلودہ ترانوں سے فضا ہے باغ کی

ہے جوانی جھومتی یا ماہ پیکر جھولتے　　جھولنے والے ہیں جھولوں میں برابر جھولتے
کیا مسرّت آفریں ساون کا یہ آغاز ہے　　باغ میں آہنگِ بلبل تک ترنم ساز ہے

"صحرا میں"

ہلکی ہلکی سی ترنم ریز پڑتی ہے پھوار　　جھومتے ہیں فرطِ شادی سے شجر مستانہ وار
ابرِ بادہ ریز سے کیا سازو بازِ سبزہ ہے　　ہوش جائیں دیکھ کر جس کو وہ نازِ سبزہ ہے
عام ہیں کس درجہ فطرت کی بہاریں دیکھنا　　سبز سبز اشجار کی ہر سو قطاریں دیکھنا
نغمہ پیرا و طرب ساماں نظر آتا ہے مور　　انتہائے کیف میں رقصاں نظر آتا ہے مور
مرغزاروں سے قلانچے بھرتے آتے ہیں ہرن　　دل کی خوابیدہ اُمنگوں کو جگاتے ہیں ہرن

"کہسار میں"

اللہ اللہ خطۂ کہسار پر کیا نور ہے　　ذرّہ ذرّہ میں تجلّی پاش برقِ طور ہے
سبزۂ نورستہ ہے یا بسترِ آرام ہے　　دُور تر کوسوں یہاں سے کُلفتِ ایام ہے
روح آزارِ جہاں سے چین پاتی ہے یہاں　　کیا ہوائے گلشنِ فردوس آتی ہے یہاں
ٹکڑے ہائے ابر تا حدِ نظر ہیں چھا گئے　　جن نظاروں کی تھی حسرت سامنے وہ آ گئے
ہے کڑک بجلی کی پانی ہے رواں کس شور سے　　ہو رہے ہیں کوہ پر بارش کے حملے زور سے

بیخطر ہیں آبشاریں کس طرح رہ کوش دیکھ
سینۂ کہسار پر آبِ رواں کا جوش دیکھ

جلد کتنا ان چٹانوں سے گزر جاتا ہے یہ
رہ گزارِ سخت میں کیا بے خطر جاتا ہی یہ

ہر جگہ رکھتی ہے حسنِ نو فضائے برشکال
اور ہی کچھ ہے لبِ دریا ادائے برشکال

'کنارۂ دریا'

یہ تموج انتہا کا یہ روانی الاماں
یہ تلاطم خیز موجوں کی جوانی الاماں

آج وہ عالم نہیں ہے ساحلِ خاموش میں
آج ایک ایک اس کا قطرہ آرہا ہی جوش میں

کلکِ شاعر یا دمِ افکار طوفاں خیز ہے
سطحِ کاغذ پر نمودِ نظم شور انگیز ہے

یا کسی بدمست کی کاکل ہو بل کھائی ہوئی
سر سے پا تک ہے جوانی جوش پر آئی ہوئی

سیل اپنے جوش میں بے فکر ہے بیباک ہو
موج کہتی ہے کدھر مجموعۂ خاشاک ہے

کہہ نہیں سکتی ہیں جو جذبات انکے دلمیں ہیں
کف بلب ہیں کشتیاں جتنی کھڑی ساحل پہ ہیں

خاک کا پتلا یہاں بھی ہے ستمگرانوں کیساتھ
کھیلتی ہے جرأتِ بیباک طوفانوں کیساتھ

دل شناورکا ہراساں تک نہیں طوفان سے
غوطے کھا کھا کر اُبھر آتا ہے اطمینان سے

ہوش کے کانوں سے سن غافل پیامِ کائنات
دیکھ حکمت سے نہیں خالی نظامِ کائنات

"تبصرہ"

دم قدم سے ابرِ باراں کے ہے تجدیدِ حیات
تو جسے برسات سمجھا ہے وہ ہی عیدِ حیات

ہر خزاں دیدہ چمن کو گل فشاں کرتی ہے یہ
از سرِ نو باغِ عالم کو جواں کرتی ہے یہ

جلوۂ قدرت کی یہ آئینہ داری اس سے ہے
صفحۂ گیتی پہ حسنِ نقش کاری اس سے ہے

یہ نہ ہو تو غنچہ و گل سے جہاں خالی رہے
یہ ہرے جنگل نظر آئیں نہ ہریالی رہے

زندگی کا مطلقاً کوئی نہ پھر امکان ہو
یہ تماشا گاہِ عالم ہُو کا اِک میدان ہو

قحطِ باراں سے نشاطِ زندگانی ہو اُداس
کیا وجودِ عاشقی جب نوجوانی ہو اُداس

سازِ شاعر پر محبت کے ترانے ہی نہ ہوں
گرمیٔ الفت کے عالم میں فسانے ہی نہ ہوں

یہ شگوفوں میں ظہورِ رنگ و مستی پھر کہاں
کشتِ دہقاں پھر کہاں دہقاں کی ہستی پھر کہاں

زندگی کی جان ہے یہ زندگی کی شان ہے
موسمِ باراں بڑا قدرت کا اک احسان ہے

جہانِ شعر

نگہ محوِ تجلائے حقیقت ہے جہاں میں ہوں
وہاں افسانہ ذکرِ حور و جنت ہے جہاں میں ہوں

نظر ہے اور رہتا حدِ نظر جلوے ہی جلوے ہیں
تماشا یک قلم رودادِ حیرت ہے جہاں میں ہوں

کہوں کیا تم سے جو عالم ہے گلہائے شگفتہ کا
کلی کنزِ بہارِ حسنِ جنت ہے جہاں میں ہوں

کوئی لمحہ نہیں دورِ شرابِ ناب سے خالی
خمارِ گردشِ دوراں سے فرصت ہے جہاں میں ہوں

حدیثِ رنج ہجراں سے نہیں کان آشنا میرے
نشاطِ وصلِ جاناں کی حکایت ہے جہاں میں ہوں

الگ ہے شورشِ آبادِ جہاں سے میرا کاشانہ
بڑے آرام کی یعنی وہ خلوت ہے جہاں میں ہوں
یہ پاسِ عظمتِ دنیائے شاعر اے معاذ اللہ
رہینِ خامشی شورِ قیامت ہے جہاں میں ہوں
وہاں عنقا ہیں ظلمت پاشیاں بغض و عداوت کی
ضیا بار اس جگہ مہرِ محبت ہے جہاں میں ہوں
نہیں معلوم کیا ہے کفر کہتے ہیں کسے ایماں
نمازِ عاشقی عینِ عبادت ہے جہاں میں ہوں
مری حدِّ عمل سے دور ہے دوزخ غلامی کا
پرستارانِ آزادی کی جنت ہے جہاں میں ہوں
نہ پوچھو میری ہمت نے کہاں تک مجھ کو پہنچایا
بشر کی آخری معراجِ عظمت ہے جہاں میں ہوں
ہے راحت بخشِ عالم مسکنِ امن و اماں میرا
جسے دنیائے آسائش کہیں وہ ہے جہاں میرا

مادرِ ھند

خاک میں ہند کی عظمت نہ ملانا ہرگز
دامنِ امن پہ دھبہ نہ لگانا ہرگز

ہے یہ رسم و رہِ تہذیب کی توہین صریح
خونِ مخلوقِ خدا کا نہ بہانا ہرگز

یہیں جینا یہیں مرنا تو یہ نفرت کیسی
نہیں بھارت کے سوا کوئی ٹھکانا ہرگز

چیونٹی تک بھی ہے اس دیس کی واللہ عزیز
دل کسی اہلِ وطن کا نہ دکھانا ہرگز

وہ غنی ہے جسے ہو خلق کی دولت حاصل
دوسرا ایسا نہ پاؤ گے خزانا ہرگز

داستاں تازہ اخوت کی رہیگی تاحشر
یہ وہ قصہ ہے کہ ہوگا نہ پرانا ہرگز

وضعداری کے ہمیشہ سے ہے یہ بات خلاف
رشتۂ مہر بڑھا کر نہ گھٹانا ہرگز

مادرِ ہند کے ہیں گبر و مسلماں فرزند
حرفِ تفریق کبھی لب پہ نہ لانا ہرگز

اپنی تاریخِ گذشتہ سے سبق لو تو سہی
اتنا دلچسپ نہیں کوئی فسانہ ہرگز

متفق اہلِ وطن ہوں تو بڑھے شانِ وطن
خس و خاشاک سے ہو پاک گلستانِ وطن

راشد الخیری

ایکہ تیری ذات سے منسوب تھی انشائے غم — تیرے اُٹھ جانے سے ہے ہندوستاں دنیائے غم
قوم کے ویراں چمن پر اشکباری تو نے کی — ہو سکی تجھ سے جہاں تک آبیاری تو نے کی
بے زبانوں کا رہا سرمایۂ گفتار تو — فرقۂ نسواں کا تنہا تھا علمبردار تو
ظلم کی بدلی میں ضو انصاف کی معدوم تھی — آندھیاں تھیں جبر کی، نسوانیت مظلوم تھی
پستیٔ اخلاق پر تھا سرنگوں تہذیب کا — کام تو نے نالۂ غم سے لیا تادیب کا
کانپ اٹھی قوم تیرے نالۂ دلگیر سے — جاگ اٹھے نیند کے ماتے تری تقریر سے
پھر ستم کیشوں کو پیمانِ وفا یاد آگیا — وہ سنائی داستاں تو نے خدا یاد آگیا
چپہ چپہ پر بپا اصلاح کا اک شور تھا — کیا تاثر تھا تری تحریر میں کیا زور تھا
عظمتِ ماضی کا جب نوحہ سنا دیتا تھا تو — ہنسنے والوں کو یہ دیکھا ہے رُلا دیتا تھا تو
نظم وہ تاثیر کی روحِ رواں جس کو کہیں — نثر وہ پاکیزہ دلّی کی زباں جس کو کہیں

تیرے احسانات کو اُردو بھلا سکتی نہیں
مرگ تیرے کارناموں کو مٹا سکتی نہیں

کم نہ ہوگا فیض تیرا گردشِ ایام سے
ہوگی دنیائے ادب سرشار تیرے جام سے

دِل تڑپ اٹھیں گے اسلوبِ بیاں کی صرف پر
سر دھنے گی آنے والی نسل اک اک حرف پر

موت اک معراجِ نو ہے بے گماں تیرے لیے
ہے فنا ہو کر بقائے جاوداں تیرے لیے

ستارے

محمل سے بھی ہیں جاذبِ خاطر کوئی شے اور
سبزۂ کہسار سے زینت کے ہیں منازل ابھی کچھ اور

بتِ کعبہ نہیں دلکشی میں تیرا جواب
سرشتِ لالہ و گل اے سرشتِ لالہ و گل

پروانہ

ایکہ ہے مرغوبِ خاطر شغلِ جانبازی تجھے
شمع پر جلنے سے حاصل ہو سرافرازی تجھے

جذبۂ بے باک تیرا خوفِ جاں کرتا نہیں
التہابِ شعلۂ سوزاں سے تو ڈرتا نہیں

ہے دلیر اتنا ترے نزدیک مرنا کھیل ہے
شاہراہِ عشق میں جی سے گزرنا کھیل ہے

شعلہ سامانی ہے تیری موجبِ تکمیلِ عشق
دہر میں روشن ہے تیری ذات سے قندیلِ عشق

معنیٔ اُلفت شعاری کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جانگدازی، جاں سپاری کوئی تجھ سے سیکھ جائے

آگ سے کس روز تو گرمِ ہم آغوشی نہیں
عشق تیرا عشق ہے کچھ مصلحت کوشی نہیں

جیسی ہونی چاہیے تجھ سے ہوئی تفسیرِ سوز
تو سراپا سوز ہو کر بن گیا تصویرِ سوز

خود فنا ہو کر بقا کے راز کو سمجھا گیا
اک جہاں بے بہرہ تھا جس سے وہ نکتہ پا گیا

تجھ سے سوزِ عشق شیخ و برہمن پیدا کریں
کاش یہ جذبہ مرے اہلِ وطن پیدا کریں

ہند کے چھوٹے بڑے ہوں ایک مثلِ جان و تن
ریشے ریشے میں رواں ہو اُلفتِ شمعِ وطن

گونج اُٹھے ہندوستاں عشق و وفا کے راگ سے
گرم ہو جائے ہر اک سینہ وطن کی آگ سے

مادو تو کے اس زمیں سے تفرقے مٹجائیں سب
یک زباں ہو کر محبت کا ترانا گائیں سب

جوت پر شمعِ وطن کی ہر بشر پروانہ ہو
یعنی جو بھی ہو وطن کے نام کا دیوانہ ہو

بازدرسِ ہمتِ مردانہ می باید گرفت
ایں متاعِ رفتہ از پروانہ می باید گرفت

ہندستان

سمی حسین جوانی سے ملتی جلتی ہے
یہ نو نقشہ و شادابِ سرزمینِ لالہ و گل
شفق ہے جلوہ نما اوجِ چرخ پر یارب
سرِ آسماں یہ ہے کوئی بہشتِ لالہ و گل

سروشِ غیب کا پیغام
شاعرِ ہندوستان کے نام

کب سے ہے تیرا چمن آلودۂ جورِ خزاں
چاہیے فکرِ بہار اے شاعرِ ہندوستاں

دعویٰ عشقِ وطن ہے تو وطن کے کام آ
تو ہے بلبل جس چمن کا اُس چمن کے کام آ

وصل و ہجراں کے ترے لب پر فسانے تابکے
رندیٔ و مستی کے کیف آور ترانے تابکے

بس چکا ہے جسمیں تو اُس آشیاں کا حال دیکھ
دیدۂ نمناک سے ہندوستاں کا حال دیکھ

دل جو امیدوں بھرا تھا اب ہے عالم یاس کا
کہتے ہیں بھارت جسے معمورہ ہے افلاس کا

جسکو لطفِ زیست کہتے ہیں یہاں معدوم ہے
سازو برگِ عیش سے یہ سرزمیں محروم ہے

لالہ رخساروں کے بھی چہرے ہیں کمہلائے ہوئے
ہر قدم پر ہے فلاکت چھاؤنی چھائے ہوئے

روزِ روشن میں بھی ہے عالم شبِ دیجور کا
وقفِ ظلمت غم کدہ ہے کس قدر مزدور کا

زندہ کیا کہیے انھیں بے جان رہتے ہیں یہاں
مختصر یہ فاقہ کش انسان رہتے ہیں یہا

دیکھتی ہے آنکھ جسکو تن دہی میں طاق ہے
منعموں کی کس قدر یہ پستیٔ اخلاق ہ

خندہ زن ہے ایک عالم جسپہ اس عالم کو دیکھ
مسلم و کافر کی رزم آرائی باہم کو د

یہ وہی خطہ ہے جو تھا ایک دن جنت نشاں
خلق کہتی تھی جسے راحت نشاں عظمت نش

سنگریزوں سے یہاں کے لعل و گوہر ماند تھے
جس قدر ذرے تھے وہ فرشِ زمیں کے چا

پرچم رنگیں بہار اپنا اڑاتی تھی یہاں
نکہتِ باغِ جناں کانٹوں سے آتی تھی یہا

چل نہ سکتی تھی یہاں کچھ شیطنت ابلیس کی
پھونکدیتی تھیں شعاعیں نیرِ تقدیس ک

تھا یہاں پیری میں بھی رنگِ جوانی آشکار
تھی جبینوں سے ضیائے کامرانی آشکا

جنکے آگے سطوتِ کوہِ گراں بھی کاہ تھی
سرزمینِ ہند اُن لوگوں کی جولانگاہ تھی

دوش پر ان کی کمانیں چٹکیوں میں تیر تھے
بھیم اور ارجن سے اس اقلیم میں رن بھیر تھ

جانکنی کی سختیوں کو تھی یہ ہنس کر جھیلتی
زندگانی تھی حقیقت میں اجل سے کھیلتی

خلعتِ ہستی مرادف تھا لباسِ مرگ کا
زور ہی مطلق نہ چلتا تھا ہراسِ مرگ ک

دورِ گردوں نام مردوں کا مٹا سکتا نہیں
وقت اُن کے کارناموں کو بھلا سکتا نہیں

اے نوا سنجِ وطن، اے شاعرِ شیریں بیاں — پاشکستہ کارواں کا تو ہے میرا کارواں

تجھ کو شایاں ہے جو کہیئے درسِ آموزِ حیات — اپنے نغموں سے عطا کر قوم کو سوزِ حیات

کوئی روشن جادہ کر پیدا نگاہوں کے لیے — رہبرِ منزل ہے تو گم کردہ راہوں کے لیے

راہ پیما سوئے منزل کاروانِ شوق کر — از سرِ نو یعنی عزمِ امتحانِ شوق کر

بادۂ ہمت سے ہو سرشار ہر پیر و جواں — اپنی تاریخِ کہن دُہرائے پھر ہندوستاں

موسمِ گل صورتِ ماضی چمن میں لوٹ آئے — یوسفِ گم گشتہ پھر اپنے وطن میں لوٹ آئے

ارتقا کا راز سمجھا درسِ خودداری سکھا — فطرتِ مجبور کو آئینِ مختاری سکھا

سربلندی کی جہانِ عجز میں تجدید کر — ذرۂ بے مایہ کو ہمپایۂ خورشید کر!

زندگی ذوقِ عمل کا نام ہے یہ جان لیں — کاش اہلِ ہند اپنی منزلت پہچان لیں

ایکہ باشی ملتِ درماندہ را پیغمبرے
از نوائے خویش پیدا کن جہانِ دیگرے

ترانۂ ہند

ارادتگاہِ شیخ و برہمن ہندوستاں میرا
وطن ہندوستاں میرا چمن ہندوستاں میرا

زمانے بھر کے ناداروں کی رکھ لی ننگِ عُریانی
زمانے بھر کے حق میں پیرہن ہندوستاں میرا

سکھائے جس نے حکمت کے قوانین مصر و بابل کو
خوشا آموزگارِ علم و فن ہندوستاں میرا

جسے اہلِ جہاں تہذیب سے موسوم کرتے ہیں
ہے اُس خورشید کی پہلی کرن ہندوستاں میرا

فضائیں ہی فضائیں ہیں بہاریں ہی بہاریں ہیں
بہشتِ نسترین و یاسمن ہندوستاں میرا

بذاتِ خود تجلّی ریز ہے حسنِ ازل جس میں
وہ اک آئینۂ گنگ و جمن ہندوستاں میرا

اگر ہے بالیقیں اک انجمن یہ کشورِ ہستی
تو ہے لاریب شمعِ انجمن ہندوستاں میرا

یہاں پورس نے اسکندر سے کی ہے رزم آرائی
شجاعت کی ہے تاریخِ کہن ہندوستاں میرا

کرم فرمائیگی اک دن نسیمِ مصرِ آزادی
رہیگا تا کجا بیت الحزن ہندوستاں میرا

یہی خطہ ہے وہ جو مشرقِ انوارِ عرفاں ہے
زمیں گوتم کی، گوتم کا وطن ہندوستاں میرا

ہیں جوہر اک جہاں پر آشکار تیغِ ہندی کے — ہے ارضِ مردمانِ صف شکن ہندوستاں میرا
بڑھیں اقبال و نصرت بہرِ پابوسی کہ ہوتا ہے — طریقِ حُرّیت پر گامزن ہندوستاں میرا

نہالِ نکتہ پرور پھر سنا دہ نغمۂ قومی
وطن ہندوستاں میرا چمن ہندوستاں میرا

ستارے

عشق کی پایاں بے پایاں
منزل سے آگے منزل
کس کی محفل کو دیکھیں
ہم تم ہیں خود اک محفل
یوں بھی سحر ہوتی ہے کہیں
گریۂ شب سے کیا حاصل
بے وفائی نہ کسی پھول میں ہم نے دیکھی
ہو کے پامال پھر اٹھے گلشن ایجاد سے ہم

بانگ رحیل

منزلِ ہستی میں ہے ہر گام پر اک ہفت خواں
دیکھ ہو جائے نہ تو گردیدۂ خوابِ گراں
— ہوشیار اے کارواں

بھیس میں ہیں رہنماؤں کے یہاں رہزن بہت
دوستی کے پیرہن میں پھرتے ہیں دشمن بہت
— ہوشیار اے کارواں

استقامت کا نہ چھوٹے تیرے ہاتھوں سے علم
ڈگمگا جائیں نہ فرطِ یاس سے تیرے قدم
— ہوشیار اے کارواں

سدِ راہِ کامرانی ہے تن آسانی کا نام
ہوتے ہیں دلدادۂ راحت غلام ابنِ غلام
— ہوشیار اے کارواں

عافیت چاہے تو رہ ناآشنائے انتشا
تیرے بدخواہوں کے سر جائے بلائے انتشار
— ہوشیار اے کارواں

تیرے اطراف و جوانب میں ہوں کیوں حرفِ نفاق
کس لیے تیرے قدم ہوں میرِ جاں صرفِ نفاق ——— ہوشیار اے کارواں

متحد ہونا ہے عینِ کامرانی کی دلیل
کوئی شے نا اتفاقی سے نہیں بڑھ کر ذلیل ——— ہوشیار اے کارواں

گرم بازاری گنہ کی ہے اندھیری رات میں
رہزنوں کی چوکیاں رہتی ہیں اکثر گھات میں ——— ہوشیار اے کارواں

طے جو کرنے ہیں وہ کر چک دہر کے بالا و پست
فتح کی امید رکھ، دل میں نہ لا خوفِ شکست ——— ہوشیار اے کارواں

سناٹا

تباہ ہو رہی ہے سبزۂ خزاں سے ہو رہی ہوں چمن
لا و ہر ایک پھول کو رکھ لوں نگاہ میں

کہاں میکدہ کا کیف ہی کچھ اور دور رہے میں
بڑھ رہا ہوں بتکدہ و خانقاہ میں

مُسلم سے!

اے مکینِ کلبۂ احزاں نہ رو گھر کے لیے
پھر عیاں عالم پہ اپنی قوتِ تعمیر کر

زندگانی ہے حقیقت اہلِ ہمّت کے لیے
کون کہتا ہے اسے تو خواب سی تعبیر کر

یا جہاں سے نقشِ باطل کی طرح ہو جا فنا
یا جہاں کو ہمّتِ مردانہ سے تسخیر کر

جلوہ ارزانی جہاں میں کر مثالِ آفتاب
نورِ باطن سے رُخِ گیتی کو پُر تنویر کر

اپنے عہدِ رفتہ کی عظمت کو پھر آواز دے
بازگشتِ شوکتِ اسلام کی تدبیر کر

عام کر اس بزمِ ہستی میں پیامِ امن کو
دور ذہنِ شمع سے اندیشۂ گل گیر کر

دست بندی سے توہّم کی جہانکو دے نجات
پارہ پارہ قوتِ ایماں سے یہ زنجیر کر

داغ ہے تاریخِ انساں پر غلامی کا وجود
اس ستم پرور کی جتنی ہو سکے تحقیر کر

فرض ہے اہلِ وفا کا پاسِ پیمانِ وفا
ساتھ دے اسلام کا، اسلام کی توقیر کر

دہر پہ چھا جائے عظمت دینِ ابراہیمؑ کی
مشرق و مغرب کو محوِ نعرۂ تکبیر کر

جاں سپارِ شمعِ ملّت صورتِ پروانہ بن
راس گر فرزانگی تجھکو نہیں، دیوانہ بن

درسِ حیات

عشق کا درس، محبت کا بیاں تازہ کریں — آؤ ہنگامۂ تسخیرِ جہاں تازہ کریں

فرقِ عالم کو جھکا دیں طرفِ مے خانہ — شیوۂ بندگیِ پیرِ مغاں تازہ کریں

آؤ ہر دل کو بنائیں تپش آلودۂ شوق — آؤ ہر سینہ میں اک عزمِ جواں تازہ کریں

پھر سنائیں اسی انداز سے افسانۂ عشق — آؤ آرائشِ اسلوبِ بیاں تازہ کریں

ذرّہ میں سطوتِ خورشید کو کر دیں ارزاں — قطرہ میں ہمتِ سیلابِ رواں تازہ کریں

کاہ میں از سرِ نو رنگِ خودی دوڑا کر — جذبۂ ہمسریِ کوہِ گراں تازہ کریں

پھر ہے ذوقِ خلشِ تیر و سناں فرسودہ — آؤ ذوقِ خلشِ تیر و سنان تازہ کریں

جس کے اجلال سے تھی لرزہ بر اندام اجل — زندگانی کا وہی نام و نشاں تازہ کریں

ہے یہ خم خانہ فروغِ مئے جاں سے خالی — مغبچو آؤ فروغِ مئے جاں تازہ کریں

پھر ہے آماجگہِ فتنہ و شورش یہ جہاں — آؤ بزمِ طربِ امن و اماں تازہ کریں

پھر محبت سے کریں کون و مکاں کو معمور
رونقِ گم شدۂ کون و مکاں تازہ کریں

آؤ پھر جنسِ معانی کا کریں نرخ بلند
یعنی سرگرمیٔ تزئینِ دُکاں تازہ کریں

داغِ دل مثلِ چراغِ تہِ داماں کبتک
آؤ تابندگیٔ نارِ عیاں تازہ کریں

تا بکے عزمِ فتوحاتِ جہاں سے یہ گریز
آؤ پیکارِ فتوحاتِ جہاں تازہ کریں

باز ہنگامہ زنِ گنبدِ دوار شویم
زندگی را سببِ گرمیٔ بازار شویم

بستانے

حوصلۂ پرواز تو نکلا قید ہوئے تو ہونے دو
یہ تو پہلے جان چکے تھے بال و پری کی خیر نہیں

جوشِ جنوں ہیں سرِ زنداں سے ٹکرانے ہیں دیوانے
مژدہ ذوقِ رہائی کو دیوار و در کی خیر نہیں

مولانا محمد علیؒ

اُٹھ گیا وہ ذات تھی جسکی سراپا انتخاب — عالمِ اسلام میں جس کا نہ تھا کوئی جواب
تیرہ شد اے آفتاب

پھینک دے فرشِ زمیں پر تاجِ زریں پھینک دے — جوششِ غم میں کہیں پر تاجِ زریں پھینک دے
تیرہ شد اے آفتاب

یوں گہن میں آ زمیں کیا آسماں تاریک ہو — آج ہے وہ روزِ بد سارا جہاں تاریک ہو
تیرہ شد اے آفتاب

نازشِ خاور دکھا کر اپنے جوہر چل دیا — تھے سلاطیں جس سے لرزاں وہ سکندر چلدیا
تیرہ شد اے آفتاب

اُٹھ گیا جو تھا امیرِ کارداں کسکو کہیں — بیشۂ اسلام کا شیرِ ژیاں کس کو کہیں،
تیرہ شد اے آفتاب

ملتِ ختمِ رُسلؐ کا کون اب غم کھائے گا — دردِ قومی سے کلیجہ کس کا منہ کو آئے گا
تیرہ شد اے آفتاب

مطلعِ ہندوستاں پر ابرِ ماتم چھا گیا حشر سے پہلے الٰہی حشر کا دن آگیا

تیرہ شد اے آفتاب

مصر و ترکی کا ہر اک پیر و جواں خونبار ہے اک یہاں خونبار ہے تو اک وہاں خونبار ہے

تیرہ شد اے آفتاب

شام کہتا ہے کہ مجھ پر شامِ ظلمت آگئی شور ہے ایران میں ہر سو قیامت آگئی

تیرہ شد اے آفتاب

چرخ کو منظور شاید رنج کی تکمیل ہے ملکِ افغاں کثرتِ گریہ سے ارضِ نیل ہے

تیرہ شد اے آفتاب

مادرِ گیتی پسر ایسا کہاں سے لائیگی مختصر یہ ہے قیامت تک صدا آئیگی

تیرہ شد اے آفتاب

روشنی را ہم سیاہی کن کہ آں ساقی نماند میکدہ ویراں شد و لطفِ مے باقی نماند

تیرہ شد اے آفتاب

سفینۂ غزل



رنگِ جدید

شاخِ نہالِ سدرۂ خار و خسِ چمن مشو
منکرِ او اگر شدی منکرِ خویشتن مشو

اقبالؔ

١

گذر دلاورانہ کر جہاں سے کھیلتا ہُوا
زمیں سے کھیلتا ہوا، زماں سے کھیلتا ہُوا

بلند و بے نیاز رکھ سرِ غرورِ زندگی
ہزار دشنہ ہائے جانستاں سے کھیلتا ہوا

بساطِ عشق پر وہی ہے کامیابِ عشق جو
سدھار جائے اپنے نقدِ جاں سے کھیلتا ہوا

مصائبِ جہاں ہیں دلشکن یہ مانتا ہوں میں
گذر بھی جا مصائبِ جہاں سے کھیلتا ہُوا

نہ روک پائے عزم ابھی ہے دور منزلِ یقیں
قدم یونہی بڑھائے جا گماں سے کھیلتا ہُوا

جہاں کے خار و خس نہ میرے سدِّ راہ ہو سکے
گیا برنگِ برق آشیاں سے کھیلتا ہُوا

نہ پوچھ رات کونسے جہاں میں، میں نکل گیا
تجلیاتِ انجم و کہکشاں سے کھیلتا ہوا

شرر بہ نالہ چاہیے مجھے کہ تا بہ عرش جائے
ہر اک فضائے ارض و سماں سے کھیلتا ہوا

تعلقاتِ دہر گرچہ ہیں سلاسلِ گراں
چلا بھی چل سلاسلِ گراں سے کھیلتا ہُوا

الم کی تلخیوں میں بھی مسرتوں کے گیت گا
نوازنِ بہار بن خزاں سے کھیلتا ہُوا

خوشا وہ رندِ زندہ دل جو اس جہاں سے اُٹھ گیا صراحی و شراب و گلستاں سے کھیلتا ہُوا
مرے وطن کی زندگی کا کیجیے جس کو عہدِ نو وہ آرہا ہے نیزۂ و سناں سے کھیلتا ہُوا
سمجھ گیا جہاں کے نظمِ کہنہ و جواں کو میں جہاں کے نظمِ کہنہ و جواں سے کھیلتا ہُوا

ہمیں ہے یاد سرگذشتِ زندگی نہاں کی
ہوا تمام حسنِ گلرخاں سے کھیلتا ہُوا

بسنت

ملکِ حیرت خانۂ ہستی کا سبب ہے بسنت سے پیچھے
ہمیں سے بیگانہ تھا جو آب بسنت سے آزاد تھا

آرزو جب مجھ کو وہ لطفِ بہارِ مئی کا یاد ہے
دل میں کس کے لیے تیری تصویر کا انداز تھا

۲

طلسمِ جلوۂ کون و مکاں سے کھیل چکا ۔ جہاں سے اب نہیں مطلب جہاں سے کھیل چکا
نظر میں سختیِ سنگِ گراں ہے اب پانی ۔ ہزار سختیِ کوہِ گراں سے کھیل چکا
میں اپنے حوصلۂ بیکراں کے جاؤں نثار ۔ دلاورانہ غمِ بیکراں سے کھیل چکا
مری نگاہ میں نہیں کچھ بھی اصلِ شادی و غم ۔ تماشاتِ بہار و خزاں سے کھیل چکا
بنائے بھی انھیں ہاتھوں سے تھے بگاڑے بھی ۔ اِک آشیاں نہیں، سو آشیاں سے کھیل چکا
کچھ اور اس سے سوا رفعتِ نظر یارب ۔ تجلیاتِ مہ و کہکشاں سے کھیل چکا
مرے جنوں کو الٰہی ملے خرابۂ نو ۔ یہ بندہ شش جہتِ خاکداں سے کھیل چکا
ہے میرے عزم کو درکار تازہ بازی گاہ ۔ زمیں سے کھیل چکا، آسماں سے کھیل چکا
مآلِ کوششِ نام و نشاں ہوا معلوم ۔ بساطِ کوششِ نام و نشاں سے کھیل چکا

شراب و ساغر و حسنِ جواں سے کیا کھیلوں — شراب و ساغر و حسنِ جواں سے کھیل چ

سلام تیرے خم و خمستاں کو اے ساقی — وہ رند ہوں جو خم و خمستاں سے کھیل چ

فروغِ عالمِ حق الیقیں کدھر ہے کہ ہیں — فریبِ جلوۂ وہم و گماں سے کھیل چ

نہالؔ کھیلوں کی تیرے نہیں ہدایت و حد
کہاں سو کھیلیگا آگے، کہاں سے کھیل چکا

ستارے

آج تک مجھ کو وہ لطفِ ہمکلامی یاد ہے
دل نشیں کتنا تری تقریر کا انداز تھا
جام میرے منہ سے لگانا ہی پڑا مجھ کو نہالؔ
ہائے ان کافر گھٹاؤں کا بھی کیا انداز تھا

۳

چلا ہوں اس جہانِ پُر فسوں سے کھیلتا ہُوا
خرد سے کھیلتا ہوا، جنوں سے کھیلتا ہوا

رواں ہے اپنی منزلِ عروج کی طرف بشر
بلندئ فضائے نیلگوں سے کھیلتا ہُوا

جہادِ زندگی ہیں دیکھ سخت کوششیاں مری
رواں دواں ہوں اپنی خاک و خوں سے کھیلتا ہُوا

وہ مردِ زندہ دل ہوں خار زارِ غم سے بارہا
گذر گیا ہوں چنگ وارغنوں سے کھیلتا ہُوا

نگاہِ اہلِ دھر میں مجسّم اک نشاط ہوں
ہزار سوزشِ غمِ دروں سے کھیلتا ہوا

ہر اک جفائے عالمِ زبوں پہ خندہ زن ہوئیں
ہر اک جفائے عالمِ زبوں سے کھیلتا ہوا

یہ سُرخ سُرخ کیوں ہے منظرِ افق دمِ سحر
یہ کون اٹھا شرابِ لالہ گوں سے کھیلتا ہوا

محبتوں کے مُدّعی محبتوں کو عام کر
عداوتوں کے جذبۂ فزوں سے کھیلتا ہُوا

کہاں سے لائی شوخ رنگ، اے بہارِ لالہ تو
گذر گیا ہے کون، اپنے خوں سے کھیلتا ہوا

ہر اک جہانِ بے عمل کو محشرِ حیات کر
اجل زدوں کے عالمِ سکوں سے کھیلتا ہُوا

کسے خبر ہے کون سے دیار میں نکل گیا
نہال اپنے عالمِ جنوں سے کھیلتا ہُوا

۴

کب ہوا تاراجِ برقِ بے اماں کیونکر ہوا
یہ نہ پوچھو مجھ سے برباد آشیاں کیونکر ہوا

جزو میں کیوں کر الٰہی آ گئے اندازِ کل
قطرہ طوفاں زارِ بحرِ بیکراں کیونکر ہوا

ان کا جلوہ تو ازل سے ہی حجاب اندر حجاب
باعثِ ہنگامۂ کون و مکاں کیوں کر ہوا

جس کی ماہیت سے ہے ذہنِ ملائک بے خبر
آشنا اس راز سے پیرِ مغاں کیوں کر ہوا

اے کہ تیرا حسن میرے دل میں ہی خلوت نشیں
برگ برگِ لالہ و گل سے عیاں کیونکر ہوا

ایک مشتِ خاک سے افزوں نہیں میرا وجود
سوچتا ہوں حاملِ بارِ گراں کیوں کر ہوا

میں کہ تھے ہفت آسماں چکر میں رفعت سے مری
پائمالِ گردشِ ہفت آسماں کیونکر ہوا

میں کہ تھی میرے لیے پہنائی افلاک تنگ
حیرتی ہوں قانعِ یک خاکداں کیونکر ہوا

میں کہ تھی تخلیق میری خواجگی کو دہر کی
پائے بندِ احترامِ این و آں کیوں کر ہوا

تھا میں صحرائے عدم میں صورتِ گنجِ نہاں
عالمِ ہستی میں خاکِ رائیگاں کیونکر ہوا

بھا گئی کیوں فطرتِ آزاد کو پابستگی
آدمی مانوسِ زنجیرِ گراں کیونکر ہوا

اصل ہی جب کچھ نہیں سود و زیانِ دہر کی
گرم یہ ہنگامۂ سود و زیاں کیوں کر ہُوا

سازِ گیتی میں نہیں گر غیر از آہنگِ حق
ملتوں میں فرقِ ناقوس و اذاں کیونکر ہُوا

تو کہاں اے غیرتِ مہرِ درخشاں ہم کہاں
خاکساروں پر محبت کا گماں کیونکر ہُوا

جانتے تھے اہلِ تقویٰ سے تجھے ہم اے نہالؔ
یہ بتا سرخیلِ رندانِ جہاں کیوں کر ہُوا

سانحہ

کی سیرِ ریاضِ دہر کی تختہ بہ تختہ میں نے سب
ہر گوشہ گوشہ جہان اندر جہاں سمجھا کیا

مستی دل سے وہی آگاہ نکلا جو ایسے
ہنگامۂ سیرِ کون و مکاں سمجھا کیا

۵

چشمِ جہاں کو وسعتِ جوشِ عمل دکھائے جا
ارض و سما کے تاجدار، ارض و سما پہ چھائے جا
عقبۂ دبائے سختی، کوہِ گرانِ غم سب تجھے
مضحکۂ وجودِ غم اور بھی تو اُڑائے جا
جادۂ غم سے منہ نہ موڑ، شانِ تہمتنی نہ چھوڑ
پیش ہے ہفت خواں تو ہو، تو بھی قدم بڑھائے جا
رزمگہِ جہاں میں ہے داخلِ مرگ خامشی
اے دلِ زندہ چپ نہ رہ، نغمۂ نو سنائے جا
ہاں یونہی دادِ ظلم دے چرخِ جفا شعار کو
ہاں یونہی مسکرائے جا، ہاں یونہی گنگنائے جا

خم کدۂ حیات ہے کس کے لئے، ترے لئے
خم کدۂ حیات سے جامِ طرب اُڑائے جا
جس میں نہ ہو جفا کشی ننگ ہے وہ شناوری
سیلِ موج سے نہ ڈر، سیلِ موج کھائے جا
حکمتِ تازہ ترسے ہو کاشف رازِ زندگی
انجمنِ حیات کو مشعلِ نو دکھائے جا
ساقیٔ ارتقا ہنوز تشنہ ہے بزمِ روزگار
اور ابھی پلائے جا، اور ابھی لنڈھائے جا
لحظہ بہ لحظہ فاش کر دل کے حقائقِ نہاں
ساغرِ گل کو اپنے تو ساغرِ جم بنائے جا
ہوں گی اسی طرح سے طے منزلیں اوج کی تمام
رفعتِ مہر و ماہ کو فرشِ قدم بنائے جا
جس کی نوا سے جھوم جائے دہر وہ سازِ عشق ہے
ہاں اسی سازِ عشق سے عقل کے ہوش اڑائے جا

کیا نہیں جانتا ہے تو غائتِ انقلاب کو
تجھ سے یہ کھُل کے کیا کہوں نقش کہن مٹائے جا

ہو وہ حجاب یا نمود دونوں ادائیں ہیں تری
پردہ کبھی گرائے جا جلوہ کبھی دکھائے جا

تجھ سے زمینِ شعر ہے غیرتِ صد ارم نہال
صورتِ ابرِ نو بہار پھول یونہی کِھلائے جا

ستارے

ہزار شکر نہ کی رسمِ ظلم عام اس نے
حریصِ لذتِ آزار اک جہاں ہوتا

میں اپنی وسعتِ تخئیل سے ہوں سرگرداں
جو ذرہ خاک کا دیکھا جہاں نکل آیا

٦

اثرِ نالۂ سوزاں مجھے معلوم نہ تھا   جل ہی جائینگے دل وجاں مجھے معلوم نہ تھا
حد سے بڑھ جاتی ہے جب تلخئ زہرِ غمِ عشق   ستمِ مرگ ہے احساں مجھے معلوم نہ تھا
مل سکیگا نہ کوئی چارہ گرِ حسرتِ دل   ہے محالات سے درماں مجھے معلوم نہ تھا
عشرتِ صحبتِ دلدار و طرب کامئ شوق   ہیں حکایاتِ پریشاں مجھے معلوم نہ تھا
جاں دہی حسن پہ شائستۂ پرستش نہوئی   اتنی یہ جنس ہے ارزاں مجھے معلوم نہ تھا
غم کہ موہوم سمجھتا ہے جسے خندۂ عیش   ہے خدنگِ دلِ انساں مجھے معلوم نہ تھا
نرمئ شبنم و گل پر اسے کرتا تھا قیاس   سخت ہے فطرتِ دوراں مجھے معلوم نہ تھا
عقل کہتے ہیں جسے بخیہ گرِ چاکِ جنوں   ہے وہ خود چاکِ گریباں مجھے معلوم نہ تھا
موسمِ گل جسے کہتے ہیں نشاطِ ابدی   وہ بھی ہے عمرِ گریزاں مجھے معلوم نہ تھا
وہ ہر اک لمحہ کہ ہو حاصلِ دنیائے سکوں   ہے یہاں حاملِ طوفاں مجھے معلوم نہ تھا

زندگی ہوتی ہے مشکل سے کہیں مشکل تر
جس قدر کہتے ہیں آساں مجھے معلوم نہ تھا

مصلحت کیلیے چاہو تو سمجھ لو مختار
ورنہ مجبور ہے انساں مجھے معلوم نہ تھا

دہر وہ منزلِ آفت ہے جہاں صورتِ کاہ
ہے دلِ کوہ بھی لرزاں مجھے معلوم نہ تھا

میں فسوں کردۂ آغازِ بہاراں ہو تھا آگ
مگر انجامِ بہاراں مجھے معلوم نہ تھا

ستارے

سچ مچ وہ میرے حال پہ نامہرباں ہے کیا
یارب بنازِ زمیں پہ کوئی آسماں ہے کیا

بہار آئی کہ جشنِ عام کا پروانہ آ پہنچا
مئے گلنار چھلکاتا ہوا پیمانہ آ پہنچا

٧

اس رنگ سے وہ جانِ بہاراں نظر آیا
اک گل کدہ یہ عالمِ امکاں نظر آیا

آنکھوں میں سماتی نہیں کچھ رفعتِ افلاک
کس مرتبۂ اوج پہ انساں نظر آیا

تقدیر سے اندازِ تباہی کو نہ پوچھو
شیرازۂ تدبیر پریشاں نظر آیا

اچھی کہی زاہد نے جوانی میں نہ پی مے
یہ تو کوئی بہکا ہوا انساں نظر آیا

اس دل کے لیے کھیل ہے بارِ غمِ کونین
یہ مرحلۂ سخت بھی آساں نظر آیا

لے ساقیٔ فرزانہ اُٹھا کشتیٔ مے کو
عالم غم و اندوہ کا طوفاں نظر آیا

میں ہوں وہ ستم دیدۂ آشوب گہِ دہر
طوفاں میں جو آسودۂ طوفاں نظر آیا

ہم اپنی پریشانیٔ دل کس کو سناتے
اس بزم میں ہر شخص پریشاں نظر آیا

اس عہد میں کمیابیٔ انساں ہے کچھ ایسی
لاکھوں میں بمشکل کوئی انساں نظر آیا

ہستی کی حقیقت سے خبردار ہوں یعنی
اک سلسلۂ خوابِ پریشاں نظر آیا

دنیا نئی اکرام کر اے خالقِ ہستی
یہ عالمِ دیرینہ تو زنداں نظر آیا

کیا بات ہے اس جانِ تمنا کے کرم کی
اس کا تو ستم بھی مجھے احساں نظر آیا

بیزار نظر آئیں گے ہم شوقِ وفا سے
وہ شوخ ستمگر جو پشیماں نظر آیا

اس درد کو مانگا میری ہمت کوئی دیکھے
جو درد کہ ناقابلِ درماں نظر آیا

ساقی ہے ترا رند وہ بیگانۂ کونین
ہر حال میں مستِ مئے عرفاں نظر آیا

ہر بلبل خوش لہجہ ہوئی گرم ترنم
شاید کہ نہال آج غزل خواں نظر آیا

~~~~~~~~~~

ستارے
بجھتے جاتے جائیں گے رونے کی عادت ہم نشیں
صبحِ الفت میں بھی نکل آئے آئے آسماں گا
ہوک اب اٹھی ہے تو کیوں رہ رہ کے یارب تھم تھم
اسقدر ناساز فرقت میں مزاجِ دل نہ تھا
~~~~~~~~~~

ج

۸

وہ محبت وہ جنونِ آرزو یاد آگیا
بیٹھے بیٹھے آج پھر اک خوب رو یاد آگیا

پھر تصور سے ہوئیں تازہ ہزاروں اُلجھنیں
قصۂ زُلفِ پریشاں مو بمو یاد آگیا

وہ نگارِ ماہوش وہ چاندنی راتوں کا لطف
اہتمامِ بادۂ جام و سبو یاد آگیا

عارضِ جاناں کے وہ انوار تا حدِ نظر
تجلیوں کا وہ تلاطم چارسو یاد آگیا

بھینی بھینی سی وہ رہ رہ کر شمیمِ جاں نواز
روح پر احسانِ زلفِ مشک بو یاد آگیا

وہ جہانِ رنگ و بو کی کیفیت یاد آگئی
وہ تماشائے جہانِ رنگ و بو یاد آگیا

کس قدر رنگیں وہ خوابِ عاشقی تھا کچھ نہ پوچھ
اک چمن زارِ طلسمِ آرزو یاد آگیا

وہ نگاہوں میں کسی سے ترجمانی شوق کی
بے زبانی کا وہ رنگِ گفتگو یاد آگیا

آگئی یاد ایک یارِ فتنہ جو کی، آگئی
آگیا یاد ایک یارِ فتنہ جو، یاد آگیا

آبرو کا جو اڑاتا تھا محبت میں مذاق — وہ دلِ بے احتیاجِ آبرو یاد آگیا
پھر گئی نظروں میں جنت ابتدائے عشق کی — باغِ ارماں پردہ طغیانِ نمو یاد آگیا

پھر تصور لے چلا مجکو کسی جانب نہاں
وہ محبت کا ریاضِ آرزو یاد آگیا

ستارے

انجام لطف مجھ پہ ہوا ہے رحمتِ عمیم
میری تمام عمر کٹی ہے گُناہ میں

دل ہی رہا نہ جب تو کہاں کی حدیثِ غم
سارا فسانہ ختم ہوا ایک آہ میں

۹

فسانہ دردِ محبت کا میں سناؤں کیا
وفا کی شان دکھاؤں تو یوں دکھاؤں کیا

زباں پہ شکوۂ بیدادِ یار لاؤں کیوں
یہی ہے مشورۂ دل تو مر نہ جاؤں کیا

زمانہ پھر نظر آتا ہے ناشناسِ حیات
رُخِ حیات سے میں اب نقاب اٹھاؤں کیا

فروغِ آتشِ غم کیا ہے زندگانیٔ دل
جو زندگانیٔ دل ہو اُسے بجھاؤں کیا

ترے خیال میں ہر چیز سے اُٹھایا ہاتھ
ترے خیال سے میں ہاتھ اب اٹھاؤں کیا

جہاں ہے درپئے انکارِ قوتِ باطن
پھر اپنی قوتِ باطن کو آزماؤں کیا

جفائے برق کے مارے ہوئے ہیں اہلِ چمن
ترانہ ہائے مسرت سنوں، سناؤں کیا

درِ مغاں پہ بھی آ کر بجھی نہ پیاس مری
درِ مغاں سے بھی میں تشنہ کام جاؤں کیا

مری نگہ میں دو عالم ہیں ذرۂ ناچیز
نگاہ ذرۂ ناچیز سے ملاؤں کیا

ہزار دلکش و رنگیں سہی طلسمِ حیات
مگر فریبِ طلسمِ حیات کھاؤں کیا

کبھی جو دور سے دیکھا بھی میں نے سوئے چمن — چمن نے کھل کے پکارا قریب آؤں کیا
جوابِ چشمۂ حیواں ہو جب سخن میرا — سراغِ چشمۂ حیواں میں سر کھپاؤں کیا
مجھے قبول نہیں عیشِ دولتِ جم و کے — کمینہ مایۂ دولت کے ناز اٹھاؤں کیا
دماغ عرش پہ ہے میری بے نوائی کا — کسی کے قصرِ امارت پہ سر جھکاؤں کیا

رہی نہ قدرِ متاعِ ہنر جہاں میں نہالؔ
کمالِ حسن متاعِ ہنر دکھاؤں کیا

ستارے

جمالِ لالہ و گل بن کے عیاں ہو بہاروں میں
تجھے اک دیکھنے والے نے یوں دیکھا ہزاروں میں

عروجِ نشّہ سرمے پہ صلائے عام کرتا ہے
زمیں والے اگر چاہیں تو سیرِ آسماں کر لیں

۱۰

خوشا وسعتِ بیکرانِ محبت — دو عالم ہیں کیا اک جہانِ محبت
گذرتے ہیں بے مہر سب قافلے اب — کہیں لٹ گیا کاروانِ محبت
فسردہ ہے دنیائے حادث ہے مطرب — سُنا نغمۂ جاودانِ محبت
سمجھ لو کہ ہے خاتمہ پر یہ دنیا — اگر مٹ گیا ہے نشانِ محبت
محبت سے کیا واسطہ فلسفی کو — نہ سمجھا، نہ سمجھے زبانِ محبت
کدھر ہے کدھر میری دنیائے رنگین — کہاں ہے، کہاں ہے وہ جانِ محبت
محبت کی یہ وسعتیں اللہ اللہ — ہر اک ذرّہ ہے اک جہانِ محبت
ازل اک محبت کا آغازِ رنگیں — ابد منتہائے زمانِ محبت
دیئے جائیگی زندگی ساتھ جبتک — کہے جاؤں گا داستانِ محبت

نہیں پھر کے آتیں، نہیں پھر کے آتا — وہ راتیں، وہ عہدِ جوانِ محبت
وہ دورِ بلندی بھی ہے آنے والا — بنے گی زمیں آسمانِ محبت
یہاں کس سے دادِ محبت ملے گی — یہاں کون ہے قدردانِ محبت

نہالِ خزاں دیدہ گرمِ فغاں ہے
وہی شاعرِ نوجوانِ محبت

ستارے

گل میں شفق میں دامنِ ابرِ بہار میں
دیکھا جو میں نے آئے نظر تم جگہ جگہ

معاذ اللہ یہ تاریک راتیں اہلِ زنداں کی
حذر کرتی ہے جن سے روشنی تک ماہِ تاباں کی

۱۱

شاہدِ مقصود ہوگا جلوہ آرا صبر کر — مضطرب کیوں ہو اٹھا جاتا ہے پردہ صبر کر
کیوں خزاں کے جور کا شاکی ہو آتی ہے بہار — گلفشاں ہو جائے گا نخلِ تمنا صبر کر
دور اب ساحل نہیں اے ہمتِ طوفاں شکن — کوئی دم کی ہے ہوا آشوبِ دریا صبر کر
فتح آیا چاہتی ہے ہمکناری کے لیے — اے بساطِ زندگی کے رزم آرا صبر کر
دم پہ بنتی ہو تو بن جائے، فغاں لب تک نہ آئے — ہمت و مردانگی کا ہے تقاضا صبر کر
تو مآلِ شامِ غم سے مطلقاً واقف نہیں — پردۂ شب سے سحر ہوتی ہے پیدا صبر کر
جاودانی یہ نہیں ہیں، ہو نہ غافل شکوہ سنج — رفتنی ہیں سب کے سب آلامِ دنیا صبر کر
سامنے تیرے بھی اک دن دورِ صہبا آئے گا — تو ابھی سمجھا نہیں ساقی کا ایما صبر کر
نوشِ عشرت دہر میں ملتا ہے نیشِ غم کے بعد — ناگوارا کو بھی کرنے ہیں گوارا صبر کر
مقصدِ خاطر نہیں ملتا بغیر از انتظار — ہے حصولِ کامرانی کیا تماشا صبر کر

بے ستوں کیا شے ہے عزمِ کوہکن کے سامنے / ہو گئی جوئے شیر اک دن آشکارا صبر کر

بے سبب یہ گردشِ پیہم نہیں اے ناشکیب / اوج پر آتا ہے قسمت کا ستارا صبر کر

تیری آنکھوں سے نہاں رکھا ہے جسکو آجتک / خود عیاں کر دیگی فطرت وہ خزانا صبر کر

مل ہی جائے گی زمانے سے کسی دن دادِ فکر
تنگدل کیوں ہے نہالِ نکتہ آرا صبر کر

ستارے

بتائیں کیا ہے کس کے نور کا جلوہ ستاروں میں
کہ یہ ہے رازِ فطرت اور ہم ہیں رازداروں میں
خود اپنی معرفت کا قحط ہے پرہیزگاروں میں
خدا کے جاننے والے ہیں پھر کچھ بادہ خواروں میں

۱۲

ہوں کالبدِ خاک میں مہماں کوئی دن اور
قسمت میں ہے پابندیِ زنداں کوئی دن اور

ہے دفترِ عالم کو ضرورت ابھی میری
کرنی ہے مجھے خدمتِ عنواں کوئی دن اور

رحم آئے گا کبتک نہ اُنھیں گردشِ تقدیر
رہنے دے مجھے بے سروساماں کوئی دن اور

آنے ہی کو ہے موسمِ گل خیر منالے
داماں کوئی دن اور گریباں کوئی دن اور

ہے مسئلۂ وسعتِ آفاق میں کیوں گم
آپے کو پرکھتا نہیں انساں کوئی دن اور

تم کام یونہی مشقِ تغافل سے لیے جاؤ
پوچھو نہ مرا حالِ پریشاں کوئی دن اور

میں مضطربِ دید ہوں وہ اس سے ہیں بیزار
کیا ہو جو یہ مشکل نہ ہو آساں کوئی دن اور

اے ابر یونہی قطرہ فشاں رہ ابھی کچھ روز
میخواروں پہ ہوتا رہے احساں کوئی دن اور

آمادۂ رخصت ہے مرا عہدِ جوانی
خاطر کا لہو چوس لے ارماں کوئی دن اور

وہ اور وفا یہ بھی بہت ہے جو رہے یاد
یہ قول، یہ اقرار، یہ پیماں کوئی دن اور

کچھ روز ٹھہر اور بھی اے شمعِ شب افروز
پُر نور رہے میرا شبستاں کوئی دن اور

اے بادِ چمن ہوتی اسیروں پہ نوازش
رہتی جو یونہی غالیہ افشاں کوئی دن اور

کیوں روکشِ عالم ہے نہالِ جگر افگار
رہنا تھا نوا سنج و غزلخواں کوئی دن اور

~~~

ستارے

ہماری زندگی کی داستانِ مختصر یہ ہے
گزاری کچھ بہاروں میں کٹی کچھ ریگزاروں میں

شبِ مہ ہے تجلّی سی تجلّی کوہساروں پر
ہے جلووں کا تلاطم سا تلاطم آبشاروں میں
~~~

۱۳

ادائے خاص سے گرمِ کلام ہیں ہم لوگ
جہانِ شعر و ادب کے امام ہیں ہملوگ

جہاں نصیب نہیں نطقِ جبرئیل کو بار
براہِ راست وہاں ہمکلام ہیں ہملوگ

نگاہ پستیٔ عالم کی سمت کیا جائے
یہ جانتے ہیں کہ عالی مقام ہیں ہملوگ

ہماری گرد کو بھی موجِ برق پا نہ سکی
رہِ حیات میں وہ تیز گام ہیں ہم لوگ

شریکِ حال ہے ہر چند فیضِ ساقی کا
خدا گواہ وہی تشنہ کام ہیں ہملوگ

نہ دیکھ چشمِ زمانہ ہمیں حقارت سے
ادب کہ درخورِ صد احترام ہیں ہم لوگ

ہجومِ یاس میں ہے اپنے دم سے نورِ اُمید
جہانِ شب کو سحر کا پیام ہیں ہملوگ

ہزار موردِ بیدادِ چرخ ہیں پھر بھی
ترانہ سنجِ بقائے دوام ہیں ہم لوگ

بہار سے جو بدل دیں خزاں کی بے کیفی
صفِ جہاں پہ وہ رنگیں کلام ہیں ہم لوگ

ہماری قید بھی کتنی حسیں ہے نامِ خدا
اسیرِ سلسلۂ مشک فام ہیں ہم لوگ

ہے دیدنی یہ فروغ اپنے داغِ الفت کا
سپہرِ عشق پہ ماہِ تمام ہیں ہم لوگ

نگاہِ عشق میں ہیں از گروہِ خاص الخاص
نظر میں خلق کی ہر چند عام ہیں ہم لوگ

کبھی جھجکتے نہیں فرِ شہریاری سے
وہ بندگانِ خدا کے غلام ہیں ہم لوگ

ڈرا نہ واعظِ ناداں ہمیں جہنّم سے
شرابِ تیز سے آتش بجام ہیں ہم لوگ

طرب فروز بنی تیرگی ہمارے لئے
شراب خانے کی رنگین شام ہیں ہم لوگ

نصیب فرِ حضوری بھی ہو ہی جائے گا
ازل سے گرمِ پیام و سلام ہیں ہم لوگ

قدح پرست ہیں واعظ بُرا کہے تو کہے
کہ بے نیازِ غمِ ننگ و نام ہیں ہم لوگ

اس امتیاز پہ قرباں وقارِ آزادی
محمّدِ عربی کے غلام ہیں ہم لوگ

گناہگار سہی، ہاں سیاہ کار سہی
یہ کم ہے اُمتِ خیرالانام ہیں، ہم لوگ

ہماری طرزِ سخن گستری الگ ہی نہاںؔ
خلافِ پیرویٔ رنگِ عام ہیں ہم لوگ

۱۴

دگر به نغمه سرایانِ غیب ساز کنم — کجاست باده که شرحِ جهانِ راز کنم

حرام باد مرا ایں خرابی و مستی — اگر ز دیر و خرابات احتراز کنم

زمانه تاب و تبِ عشق بر نمی تابد — ز سوزِ خویش کرا آشنائے راز کنم

به قیمتش نرسد کنز و گنجِ سُلطانی — سزد مرا که به کالائے خویش ناز کنم

مراست قدرتِ آں نالها که از شبِ تار — بروئے عالمِ خوابیده صبح باز کنم

مرا ببیں که بنہم طرحِ نو زمانه را — مرا مداں که بدورِ زمانه ساز کنم

قلندرم که بکامم زلال و دُرد یکیست — میانِ راحت و کلفت نه امتیاز کنم

چه شوخ طالعِ من هست همنشیں بنگر — غمِ حیات خورم، کارِ نے نواز کنم

حریفِ لذّتِ حق نیست گوشِ بزم هنوز — چساں گریز ز پیرایهٔ مجاز کنم

سمندِ جرأت و ہمت سپردہ اند بہ من — کہ در جہانِ غم و رنج ترکتاز کنم

بایں جسارتِ دعوئے تجیرتم، یعنے — کہ نالہ گفت دلِ کوہ را گداز کنم

نہال در چمنِ گل رُخاں نصیبم باد

کہ با نوائے خوشِ عندلیب ساز کنم

ستارے

دیکھ لیتا ہوں اٹھا کر مہ و انجم کی نقاب

عرش والے تو مری آنکھ سے مستور نہیں

حشر میں حسنِ ستم دوست کا شکوہ کیا

عاشقی کشمکشِ خواجۂ مزدور نہیں

۱۵

طوفانِ روزگار ہیں عزمِ جواں سے ہم
اب کیا دبیں گے سختیٔ ہفت آسماں سے ہم

جس میں سنبھالا ہوش تھا کھوئے جہاں حواس
دو تنکے چاہتے ہیں اُسی آشیاں سے ہم

جس دن سے عشق اپنا ہوا میرِ کارواں
آگے بڑھے ہوئے ہیں ہر اک کارواں سے ہم

وہ بجلیوں کی چشمکِ پیہم کہ کچھ نہ پوچھ
تنگ آ گئے ہیں زندگیٔ آشیاں سے ہم

نظارہ اُن کا بنکے بہت دیر تک کیا
دیوانگی برتتے رہے پاسباں سے ہم

اک آشیاں کی ہمکو تباہی کا غم چہ خوب
مانوس ہیں شکستِ ہزار آشیاں سے ہم

پروانہ دل کی آگ سے یا شمع سے جلا
دیکھو ہمیں کہ جلتے ہیں سوزِ نہاں سے ہم

ہیں کب سے تشنہ اپنے گلستاں کی نخلِ گل
اے ابرِ زندگی تجھے لائیں کہاں سے ہم

یہ انتہائے جور و ستم اے لبِ فغاں
اچھا تو پھر سمجھ ہی نہ لیں آسماں سے ہم

اے کاش ہو یہ جذبۂ تعمیر مستقل
چونکے تو ہیں خرابیٔ خوابِ گراں سے ہم

پھر دورِ تازہ ساقیٔ خمخانۂ حیات
خمخانۂ حیات میں ہیں سرگراں سے ہم

اس امتیازِ خاک نشینی کو دیکھنا
ممتاز ہیں بلندئ ہر آسماں سے ہم

ناگفتنی حدیثِ محبت نہیں، مگر
جو دل کی بات ہو وہ کہیں کیا زباں سے ہم

ہے اور کتنی دُور تری منزلِ قیام
رہ رہ کے پوچھتے ہیں یہ عمرِ رواں سے ہم

ہر ذرہ ہے حسین نگاہوں میں اے ہلال
اک عشق خاص رکھتے ہیں ہندوستاں سے ہم

ستارے

ذوقِ تخریب اگر ہے ترے جلووں کو تو ہو
تو کسی رنگ میں تعمیر سے مجبور نہیں

اُف رے پردہ کہ ہمیں جلوہ دکھانا تو کجا
اب وہ اندازِ تبسم بھی سرِ طور نہیں

۱۶

پھر دل میں سمایا خطرِ گردشِ ایام
ساقی مجھے اک جام ارے ساقی مجھے اک جام

منزل نہیں تیری یہ جہانِ سحر و شام
اے دوست سبک گام، سبک گام سبک گام

پیری کا تصور بھی ہے منجملۂ اوہام
دل زندہ ہے تو صبحِ جوانی کی نہیں شام

دیکھا نہ سنا تھا کبھی یہ قحطِ مئے عشق
مغرب بھی تہی جام ہے مشرق بھی تہی جام

کیا تجھ سے کہوں بت کدۂ دہر کا عالم
سو طرح کے آذر ہیں تو سو رنگ کے اصنام

دنیا میں نہیں ملتِ حق کوئی مگر عشق
اس ملتِ حق میں نہیں گنجائشِ اوہام

دیکھے کوئی تہذیب کی اس فتنہ گری کو
پوچھے کوئی اس عہد کے انساں کا ہے کیا نام

رونے سے نہیں طالعِ ناکام بدلتا
آگاہ ہو اے نوحہ گرِ طالعِ ناکام

سن لے کہ اقامت ہے بالفاظِ دگر موت
ہشیار کہ یہ دہر نہیں منزلِ آرام

حیرت میں ہوں کس حسن سے معمور ہے دنیا
یہ چاند، یہ تارے، یہ حسینانِ گل اندام

وہ پہلے پہل حسن سے نظروں کا تصادم
وہ عشق کے ہونٹوں پہ لرزتا ہوا پیغام

بیٹھے ہیں سرِ راہ ترے منتظرِ دید
اے ترکِ پری چہرہ ادھر زحمتِ یک گام

ہونے کو تو ہوتی ہے ہر اک شام دل آویز
وہ آئے تو کچھ اور سلونی سی ہوئی شام

کہسار سے جس طرح برستی ہوں گھٹائیں
ہوتی ہے مری طبع سے یوں بارشِ الہام

ہیں اہلِ جہاں سے نہیں محتاجِ تعارف
روشن صفتِ مہرِ درخشاں ہے مرا نام

جس شخص کو کہتے تھے نہال اہلِ زمانہ
وہ شخص بھی نکلا ہدفِ ناوکِ ایام

~~~

ستارے

ابتدائے غمِ دل میں تھی جائے سکوت
انتہائے غمِ دل درخورِ مذکور نہیں

خلق اب میرا گلا گھونٹنے کی ہے خواہاں
کیا ترے عہد میں فریاد کا دستور نہیں
~~~

۱۷

بازِ برقِ طور بر فرقِ غریباں ہم فگن
اے کہ تجھ سے ہے فروزاں مہر و مہ کی انجمن

التزامِ ناظر و منظور سے ہے زیبِ دہر
انجمن سے آئینہ ہی، آئینہ سے انجمن

سرنگوں بیٹھے ہوئے کیا ہو قفس کو لے اُڑو
اتنی ہمت کیا نہیں ہے اے اسیرانِ چمن

لُوٹ لیں ایسے میں غارتگرِ وطن کی کائنات
بادۂ غفلت سے ہیں سرشار اربابِ وطن

دیدہ زیبی پر ہے اپنی کیا ہی نرگس کو غرور
اُسنے دیکھی ہی نہیں شاید وہ چشمِ سحر فن

آئی اور اس رنگ سے آفاق میں آئی بہا
تختۂ گلزارِ جنت بن گئے کوہ و دمن

کون ہے ناواقفِ رنج و محن اس دہر میں
دیکھ چشمِ غور سے اے واقفِ رنج و محن

اپنے بیمارِ دل سے سرگرمِ تکلم ہو کبھی
اے حیاتِ عاشقاں، اے شاہدِ شیریں سخن

بعدِ منزل سے خطر کیوں، بعدِ منزل کچھ نہیں
گامزن ہو، گامزن ہو، گامزن ہو، گامزن

غیر کو کس مونھ سے الزامِ تباہی دیجیے
بنگئے دُزدِ چمن، خود خانہ زادانِ چمن

کیا یہ لازم ہے کسی کی انجمن کا رُخ کرے — دِل کہ صد رنگِ تخیّل سے ہے خود اک انجمن
اور ہی کچھ شان ہے تیرے قتیلِ حسن کی — ورنہ کہنے کے لیے ہے لالہ بھی خونیں کفن
ہے لبِ ہنگامۂ حاضر پہ اک تاریخِ نو — چھوڑ بھی اے قصہ خواں ذکرِ روایاتِ کہن
وہ تجلی کا جہاں کہتا ہے تو جسکو بہشت — ہے کسی خورشید وش کی ایک چھپتی سی کرن
کام راینہائے جوئے شیر ناممکن نہیں — چاہتی ہے سختیٔ کہسار ضربِ کوہکن

دیدۂ مشتاق وا اک عمر سے ہے اے نہالؔ
کاش آجائے چمن کی سمت وہ رشکِ چمن

ستارے
کب تک غمِ سرور سے خمیازہ کش رہوں
اے موجِ بادہ تو مرے لب تک گذر کہیں
شیشوں اتار طاق سے ناداں کہ آگئی صبح
جاتی نہیں ہے شیخ نمازِ سحر کہیں

۱۸

فطرتِ پروانہ آتش بجاں رکھتا ہوں میں
زندگی کی آگ کو شعلہ فشاں رکھتا ہوں میں

بزمِ خاکی کیوں ہو جولانگہ مری پرواز کی
عرش کی پہنائیوں میں آشیاں رکھتا ہوں میں

الاماں میرے ارادوں کی جوانی الاماں
دِل جواں ہمت جواں فطرت جواں رکھتا ہوں میں

انقلابِ آسماں کا غم مجھے کیا ہم نَفَس
جیب میں ایسے کروڑوں آسماں رکھتا ہوں میں

سینۂ کہسار جس کی شرح سے ہو جائے شق
تازہ ہر اک گام پر وہ امتحاں رکھتا ہوں میں

آشیاں پھونکا ہی بجلی نے جہاں سو مرتبہ
پھر اُنھیں شاخوں پہ طرحِ آشیاں رکھتا ہوں میں

میرے افسانے سے گونج اٹھا جہانِ مہر و ماہ
ایک ذرہ ہوں مگر وہ داستاں رکھتا ہوں میں

کارواں ہوتا ہے اپنے نظم سے جب بے خبر
تا بمنزل فکرِ نظمِ کارواں رکھتا ہوں میں

ہوں وہ قطرہ جو وصالِ بحر سے ہے مفتخر
بارک اللہ کیا حیاتِ کامراں رکھتا ہوں میں

فرصتِ نظارۂ گل جو کہے وہ سب درست
فرصتِ نظارۂ گل ہی کہاں رکھتا ہوں میں

آنی و فانی نہیں مثلِ شرر ہستی مری — سینہ میں دل، دلمیں سوزِ جاوداں رکھتا ہوں میں
ہو رہے گا کل باندازِ حقیقت آشکار — آج جو چشمِ تخیّل میں جہاں رکھتا ہوں میں
وہ عدوئے خانہ آبادی جسے کہتے ہیں برق — صورتِ چشم و چراغِ آشیاں رکھتا ہوں میں
معرفت ہنگامۂ دل کی ہو لیکن اس قدر — موجزن پہلو میں اِک سیلِ رواں رکھتا ہوں میں
بیکسی کا یہ جہاں یہ کس مپرسی کا وطن — کیا بتاؤں کیا غمِ ہندوستاں رکھتا ہوں میں

عشق خاکِ گلستاں عنصر ہو میرا اے نہال
انتہا کا عشقِ خاکِ گلستاں رکھتا ہوں میں

ستارے

سر تا پا زباں ہوں جب بھی محال ہے
شکریۂ نوازشِ پیغامبر کہیں

تعمق سے بیاضِ حسنِ شب کو دیکھ اے غافل
ہزار آیاتِ وجدانی نہاں ہیں ایک تارے میں

19

رموزِ عشق سمجھایا گیا ہوں — جہانِ حسن میں لایا گیا ہوں

ازل کا نغمۂ دل کش ہوں ایسا — ہزاروں رنگ میں گایا گیا ہوں

زبانِ دہر کو دیکھا ہے چلتے — فقط خاموش میں پایا گیا ہوں

وہ برقِ طور سے بھی کچھ سوا ہے — میں جس بجلی سے تڑپایا گیا ہوں

تنگ آیا ہوں افکارِ جہاں سے — یہ کن کانٹوں میں اُلجھایا گیا ہوں

سمجھتا کس طرح کل رازِ ہستی — بقدرِ ظرف سمجھایا گیا ہوں

یہ دنیا ہے کہ زندانِ عناصر — اسیروں کی طرح لایا گیا ہوں

ہیں مہر و ماہ میری سیر گاہیں — یہاں میں بارہا آیا گیا ہوں

جہاں موسےٰ نے کھوئے اپنے اوساں — وہاں میں ہوش میں لایا گیا ہوں

کبھی پایا خطابِ قلزم آشام — کبھی قطرے کو ترسایا گیا ہوں

ہوا ہوں فرش سے جب گرمِ پرواز — فرازِ عرش پر پایا گیا ہوں
نہ سمجھو اصل میری ایک ذرّہ — بیاباں ہوں جو پھیلایا گیا ہوں
خطا برحق مگر اے داورِ حشر — میں بہکا ہوں کہ بہکایا گیا ہوں

نہالِ الفت کا افسانہ ہوں، ہر جا
نئے عنواں سے دُہرایا گیا ہوں

ستارے

ساتھ ستار کے ساقیا لازم ہیں چنگ و عود بھی
یوں ترے سر کی قسم ہم کو مزہ ملتا نہیں

ہر اک ذرّہ ہے اک دنیا خراب آبادِ ہستی کا
ہر اک ذرہ سے جو چاہیں مرتّب داستاں کر لیں

۲۰

حقیقت کی حدیثِ بیکراں معلوم ہوتا ہوں
وہ ذرّہ ہوں کہ وسعت میں جہاں معلوم ہوتا ہوں

مجھی سے ہیں یہ پیہم شوخیاں امواجِ طوفاں کی
مگر اپنی جگہ سنگِ گراں معلوم ہوتا ہوں

کہاں سے ہو کہاں پہنچی نکھر کر عشق کی دنیا
کہاں سمجھا گیا ہوں میں، کہاں معلوم ہوتا ہوں

کوئی آساں ہے اندازہ مِری پروازِ پیہم کا
ازل سے بے نیازِ آشیاں معلوم ہوتا ہوں

بباطن کوئی پایاں ہی نہیں ہے میری قوّت کی
بظاہر ایک جانِ ناتواں معلوم ہوتا ہوں

گماں اپنے پہ کرتا ہوں کبھی خاک پریشاں کا
کبھی شیرازہ بندِ دو جہاں معلوم ہوتا ہوں

مرے عجزِ طبیعت میں ہے ایسا ناز کا پہلو
زمیں مسکن ہے میرا آسماں معلوم ہوتا ہوں

مجھے بخشا ہے میری فکر نے رنگِ دوام ایسا
چمن زارِ حیاتِ جاوداں معلوم ہوتا ہوں

کسی ذرّہ کا دل نیشِ الم سے دُکھ گیا شاید
بجائے نغمہ سرگرمِ فغاں معلوم ہوتا ہوں

کوئی جام اور بھی ساقی، کوئی جام اور بھی ساقی
جواں معلوم ہوتا ہوں، جواں معلوم ہوتا ہوں

یہ جذبِ داستانِ حسنِ رنگیں اے معاذ اللہ
کہ میں خود حسن کی اک داستاں معلوم ہوتا ہوں

مری ہستی سے ہے کون و مکاں کو ارتباط اتنا
تمنائے دلِ کون و مکاں معلوم ہوتا ہوں

مری ہستی نہیں نیرنگ سمجھو اِک جزو کل کا
کہیں رہرو، کہیں ہیں کارواں معلوم ہوتا ہوں

مجھے آیا نہیں شائستۂ خاکِ وطن ہونا
اگر خاکِ وطن پر ہیں گراں معلوم ہوتا ہوں

ہوا ہے جب سے عرفاں مجھکو حاصل ای نہال اپنا
مجسّم اک بہارِ گلستاں معلوم ہوتا ہوں

سناٹا ہے

میں ہوں وہ جب سے چرخ دیتا تھا
اب تو گردانتی زمیں بھی نہیں

جان بھی زندگی پہ دیتے ہیں
زندگی قابل یقیں بھی نہیں

٢١

قسمتِ دہر بے نقاب میرے مکاشفات ہیں
جلوہ نما ہیں لاکھ صبح ایک سیاہ رات میں

آئی ترانہ بار صبح محفلِ کائنات میں
محو ہے فرش ہو کہ عرش، زمزمۂ حیات میں

نغمۂ کائنات ہوں، میں ہمہ تن حیات ہوں
نوحۂ زندگی نہ ڈھونڈ میرے تخیلات میں

لے ہی اڑیں برنگِ بو مجھکو مری لطافتیں
میں نہ اسیر رہ سکا قیدِ تعینات میں

ہاں وہی دل کہ آج ہے جور کشِ خزانِ غم
ایک ہی پھول تھا کبھی دامنِ کائنات میں

تو جسے جانتا ہے فخر ہے وہ کھلا ہوا فریب
نام کا غزنوی نہ بن، دہر کے سومنات میں

ای مہِ آسمانِ حسن رخ سے اٹھا، اٹھا نقاب
غرق ہو غرق اے زمیں جوشِ تجلیات میں

شیر دلوں کو عرصۂ کرب و بلا ہے آئینہ
جوہرِ زندگی ہے فاش معرکۂ ثبات میں

شرم سے ساز باز کیا جلوہ فگن ہو برملا
کوئی نہیں ترے سوا عرصۂ شش جہات میں

ای مرے شیخ خوش صفات! بادہ ہے مانعِ نجات
ہے کوئی چارۂ حیات! عالمِ ممکنات میں

عقل کا کیا چلے فسوں، بات خرد کی کیا سنوں
ڈوب چکا ہوں اے جنوں تیرے تخیلات میں

یہ غم و درد کا وفور، رُخ پہ اُڑا اُڑا سا نور
ہے کوئی نیشتر ضرور سینۂ کائنات میں

رند ہر ایک غم سے پاک، چہرہ ہے مے سے تابناک
زاہدِ کم نظر ہلاک، مسئلۂ نجات میں

عشق سے وہ دمِ کرم حسن کا دلبرانہ رَم
اُف وہ ادائے اجتناب عالمِ التفات میں

شاعرِ شکّریں مقال، ہند کا مردِ باکمال
نغمہ سرا ہُوا نہال گل کدۂ حیات میں

~~~~~~~~

ستارے

حدِ تخیل سے باہر نظامِ مہر و جہاں کیوں ہے
جب عجز آشنا ٹھہرے ہیں فہم بیں نکتہ داں کیوں ہے

شرارِ عشق سے پروانہ کی صورت فنا ہو جا
تماشا ہی سہی یہ زیستِ ہستی رائگاں کیوں ہے
~~~~~~~~

۲۲

کہتے ہیں جسکو موت توہّم سے کم نہیں
ہنگامۂ وجود، عدم ہے، عدم نہیں

وہ خاک داں بھی خطۂ دوزخ سے کم نہیں
جس خاک داں میں حسن و محبت بہم نہیں

رکھتے ہو ہم سے یوں نگۂ لطف کو دریغ
گویا کہ اس جہاں میں تمھیں تم ہو ہم نہیں

میں نامراد شورشِ طوفاں سے کیا ڈروں
طوفاں ہے بے پناہ تو ہمت بھی کم نہیں

مخصوص میرے دم کیلیے ہے جفائے دوست
یعنی ہنوز عام مذاقِ ستم نہیں

ہے ننگ پائے شوق کو وہ جادۂ طلب
جس جادۂ طلب میں کوئی پیچ و خم نہیں

یوں جیتے جی زبونیٔ قسمت سے عزمِ صلح
شاید تجھے زبونیٔ ہمّت کا غم نہیں

ہر نوکِ خار پوچھ رہی ہے مزاجِ شوق
یہ جادۂ وفا ہے طریقِ حرم نہیں

بے گریہائے عشق کہاں خندۂ حیات
بے آب کشتِ دل ہے، اگر چشم نم نہیں

اپنے قدم کے ساتھ ہی منزل لگی ہوئی — منزل پہ جو نہیں، وہ ہمارا قدم نہیں
میرے تصورات کی رنگینیاں نہ پوچھ — اک پرتوِ خیال ہے میرا اِرم نہیں
تعمیرِ کائنات کو گہری نظر سے دیکھ — وہ ذرّہ کون سا ہے یہاں جو اہم نہیں

کیوں جامِ جم کی تجھ کو تمنا ہے اے نہالؔ
اے ناشناس! دل بھی کم از جامِ جم نہیں

ستارے

اے پھونکنے والے اے برق لیکن یاد رکھ یہ بھی
خدا چاہے تو تنکا سے پیدا آشیاں پھر ہو

آتی بہار آ کے چلی سے سر کو جھکا لیں
سبزے کو روندنے کے پھر یا تیر ہم آگے جگہ

۲۳

عشق کی آزمائش ذوقِ سفر ہی یہ جہاں — منزلِ آخری نہیں، راہِ گذر ہے یہ جہاں
نوعِ بشر کا ارتقا، معنیٔ ارتقائے دہر — نوعِ بشر کے ساتھ ساتھ نوعِ دگر ہی یہ جہاں
دیدۂ جہل میں ہیں صرف چند خطوطِ بام و در — عقل کو اک صحیفۂ فکر و نظر ہے یہ جہاں
دیکھ بغور حلقۂ شام و سحر کے پائے بند — اور بھی کچھ علاوۂ شام و سحر ہے یہ جہاں
بستۂ دورِ صبح و شام ایک نفس نہیں قیام — جادہ بجادہ رہ بہ رہ گرمِ سفر ہے یہ جہاں
گاہ بحسنِ دلفریب امن و اماں کی اک بہشت — گاہ بشکلِ دوزخ فتنہ و شر ہے یہ جہاں
تا بفلک ہیں گرمِ کار کینہ و جہل کے غبار — فتنۂ حشر ہے بلند، خاکِ بسر ہے یہ جہاں
میرے سکون سے محفلِ کون و مکاں سکون پذیر — مجھ کو نہ ہو سکون تو پھر زیر و زبر ہے یہ جہاں
پھر بھی دلوں کے قصر ہیں تیرہ و تار العجب — گرچہ دیارِ انجم و شمس و قمر ہی یہ جہاں

جام اُٹھا کہ دہر ہے چشم زدن میں منقلب — پی کہ بقدرِ فرصتِ رقصِ شرر ہے یہ جہ
ہمت دل کا پاس کر، دور ہر اک ہراس کر — دل ہے قوی تو عرصۂ فتح و ظفر ہے یہ جہ
لافِ کمال تا بکے، لا کوئی آیتِ کمال — شانِ ہنروری دکھا، بزمِ ہنر ہے ی
دیکھ یہ صبح کا جمال، دیدہ کشا ہو اے نہال
صورتِ تختۂ گلاب تازہ و تر ہے یہ جہاں

سنا ہے

جگر انسان کا ہے جانفشانی ہے یہ انساں کی
ذرا سی جان اور ہمت نظامِ بزمِ امکاں کی
اسیرِ عشق آزادانہ آہیں کر نہیں سکتے
الٰہی تنگ دل کیا اس قدر دنیا ہے زنداں کی

۲۴

وسعت کدۂ کون ومکاں جھوم رہا ہے — میں جھوم رہا ہوں تو جہاں جھوم رہا ہے

سرکارِ مغاں سے ہی بٹی وہ مئے سرجوش — ہر بندۂ سرکارِ مغاں جھوم رہا ہے

یہ مست گھٹائیں، یہ ہوائیں، یہ فضائیں — اک رند نہیں، شیخِ زماں جھوم رہا ہے

وہ زہد کہ تھا سدِّ سکندر سے بھی محکم — ہو کر گرَوِ حسنِ بتاں جھوم رہا ہے

مستی کا تصرف ہے ہر اک پیر وجواں پر — دیکھا جسے وہ پیر وجواں جھوم رہا ہے

پُرکیف وہ منظر ہے جہانِ گزراں کا — خود آج جہانِ گزراں جھوم رہا ہے

اِک نشہ کا عالم ہے عیاں شرق سے تا غرب — آفاق کراں تا بہ کراں جھوم رہا ہے

میخانہ میں اس رنگ سے ساقی ہے خراماں — گلشن میں کوئی سروِ رواں جھوم رہا ہے

باہر ہیں حدِ فہم سے رندوں کے مقامات — کیا تجھ سے کہوں کون کہاں جھوم رہا ہے

یہ کس کی تجلّی ہے حریمِ دل وجاں پر — بے طرح حریمِ دل وجاں جھوم رہا ہے

وہ نغمہ گرِ عنصرِ رواں ہے مری ہستی
میں خود ہی نہیں عنصرِ رواں جھوم رہا ہے

اللہ رے تاثیرِ بیانِ مئے و مستی
ہر ناقدِ اندازِ بیاں جھوم رہا ہے

کھل کر ترا افسانہ سنا دوں تو ہو کیا رنگ
عالم بہ اشاراتِ نہاں جھوم رہا ہے

ہے کون سے عالم میں نہالؔ آج نہ پوچھو
وہ سرخوشِ الطافِ مغاں جھوم رہا ہے

~~~

ستارے

خزاں لقب ہے مرے عہدِ عشق و الفت کا
سرکتے ہیں جب تو ترے شباب میں ہے
بہار ہزار جلوہ و دنیا سمٹ کے آئے ترے
ترا جمال مری چشمِ انتخاب میں ہے
~~~

۲۵

چارہ فرمائی دلِ رسمِ بتاں ہے تو سہی
ابھی کچھ مہر و محبت کا نشاں ہے تو سہی

سنگ کہیے اسے یا رنجِ غلامی کہیے
کوئی تنے سینۂ آدم پہ گراں ہے تو سہی

نقشِ پا تیرا ہے گر تو نہیں اے حشر خرام
اک نہ اک باعثِ آشوبِ جہاں ہے تو سہی

دہر کو مُردہ نہ کہہ نغمہ ہے جب تک باقی
یعنی اک زندگیٔ دل کا نشاں ہے تو سہی

آپ سے آپ تو پیدا نہیں یہ لالہ و گل
کوئی آخر چمن آرائے جہاں ہے تو سہی

دیکھ لے خود صفِ آخر کی طرف، نام نہ پوچھ
ایک محرومِ طرب پیرِ مغاں ہے تو سہی

منکرِ عیش جہاں میں نہیں اے ساقیٔ دہر
یہ مئے خاص نصیبِ دگراں ہے تو سہی

یہ بھی کہتے ہیں کہ ہے عرض تمنّا بے سُود
یہ بھی کہتے ہیں ترے منہ میں زباں ہے تو سہی

نہ گری ہو کہیں کاشانۂ صیاد پہ برق
غیر معمول کچھ اس سمت دھواں ہے تو سہی

جلوۂ دوست کو سمجھا نہیں یہ بات ہے اور
جلوۂ دوست محیطِ دل و جاں ہے تو سہی

ہو تو ایک شخص سے یک گونہ تعلق اپنا — دیدہ اک سمت بالفت نگراں ہو تو سہی
اور کیا عرضِ ندامت دلِ دیوانہ کرے — شرمسارِ اثرِ آہ و فغاں ہے تو سہی
چاہیے اور تجھے کیا پئے ہنگامۂ حسن — تیرے قربان بہ سب کون و مکاں ہے تو سہی

ہم نے مانا کہ نہیں حالیؔ و مجروحؔ، نہالؔ
پیروِ غالبِ اعجازِ بیاں ہے تو سہی

سنتالے

میری فطرت ہے جہادِ زندگی میں سخت کوش
یعنی ہے ہر سانس پیغامِ عمل میرے لیے
آج بھی گزرا ہے سارا حسرتِ ایفا میں دن
دیکھیے ارشاد کیا ہوتا ہے کل میرے لیے

٢٦

تشنہ کامی کا رہے اسکی خیال ای ساقی
ہے ترا بندۂ درگاہ نہال اے ساقی

جھومتی جھامتی قبلہ سے یہ اٹھی ہے گھٹا
یا کوئی حور ہے کھولے ہوئے بال اے ساقی

سرخوشِ کیفِ ابد ہوں تری آنکھوں کی قسم
میری مستی نہیں پابندِ زوال اے ساقی

وہ پلا بادہ کہ پُرنور ہو کاشانۂ فکر
جگمگا دے مری اقلیمِ خیال اے ساقی

تلخ ہے وہ سمِ ہستی کہ عیاذاً باللہ
زندگانی کا ہے ہر سانس وبال اے ساقی

وہ مرا ہند ہے اک مرثیۂ جاہ جلال
تھا کبھی جو ہمہ تن جاہ وجلال اے ساقی

اس جہنم کدۂ دہر میں اک جرعۂ مے
تشنہ لب کو ہے ترے آبِ زلال اے ساقی

اپنی اس ہستیٔ ہنگامہ طلب کے ہاتھوں
فرصتِ نیم نفس بھی ہے محال اے ساقی

ابھی صد حشر در آغوش، ابھی خالی گود
دیکھنا ہستیٔ انساں کا مآل اے ساقی

گرمِ پیکار ہوئیں گرگ خصائل اقوام
خونِ انساں ہے درندوں کو حلال اے ساقی

آدمیت کا ہے تابوت سرِ دوشِ کمال | آدمیت کی یہ پامالِ کمال اے سا
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تہذیب ہے کیا | آدمی اور روشِ جنگ و جدال اے سا
یہ شبِ ماہ یہ تاروں سے برستا ہوا حسن | بزمِ امکاں ہے کہ ہے بزمِ جمال اے سا
ہاں چلے دور کہ ہے روح میری تشنۂ کیف | شیشہ و جام بدستور سنبھال اے سا
وہ طرب خیز ہوئی ہے وہ مٹی یورشِ غم | وہ چلا لشکرِ اندوہ ملال اے سا
تیرے ہاتھوں سے جو ملتا ہے دمِ بادہ کشی | جامِ جم ہے مجھے وہ جامِ سفال اے سا

جام لا، جام کہ میں جھوم کے چھیڑوں یہ غزل
ہے ترا بندۂ درگاہ نہالؔ اے ساقی

ستارے

دیکھو نہ ہو وہ جلوے کہ جو ہیں چھپے ہوئے
دنیا ہے تار تار گریباں لیے ہوئے
[illegible]
[illegible]

٢٧

جسے کہتے ہیں بارِ عشق اپنا امتحاں سمجھے
سبک اسکو نہ سمجھے آدمی کوہِ گراں سمجھے

محبت ہو رہینِ شرح ہم اس کے نہیں قائل
یہ کوئی بات ہے کیفیتِ دل کو زباں سمجھے

بدشواری سمجھ میں فلسفہ آیا محبت کا
ہم اک مدت میں یعنی رازِ تنظیمِ جہاں سمجھے

الٰہی وہ نظر دے آشیاں تک ہو قفس جسکو
نہ ایسی کم نگاہی جو قفس کو آشیاں سمجھے

یہاں تک ترجماں کر آپ کو دنیائے فطرت کا
کہ خود دنیائے فطرت تجھکو اپنا ترجماں سمجھے

یہ رمزِ خاص استادِ ازل نے مجھکو سمجھائی
جو سمجھے آپ کو وہ معنیٔ کون و مکاں سمجھے

ابھی یہ کاروانِ عصر سمجھا ہی کہاں تجھکو
ابھی میری فغاں کو کیا درائے کارواں سمجھے

جہاں ہے گرم جوشیٔ عمل کا نام اے غافل
قیامت ہے اسے تو منزلِ خوابِ گراں سمجھے

چلو دشوار ہی کیا ہے ٹھکانہ چار تنکوں کا
نگاہِ باغباں دیکھی، مزاجِ باغباں سمجھے

نشاں کچھ تو بتا اے محفل آرائے جہاں اپنا
کوئی تجھکو کدھر جانے، کوئی تجھکو کہاں سمجھے

ٹھکانہ کیا ہے اس رفتار کی ہنگامہ خیزی کا
جو آشوبِ قیامت کو بھی اپنا ہم عناں سمجھے

اُسے کچھ آشنائے جبرِ فطرت میں سمجھتا ہوں
سکوتِ لالہ و گل کو جو ہم رنگِ فغاں سمجھے

نہالؔ آساں نہیں پیغام کو میرے سمجھ لینا
وہی کچھ اس کو سمجھے گا جو رنگِ گلستاں سمجھے

سماں

اُڑتا ہے کس نشاط سے پروانہ سوئے شمع
وارفتہ اپنی موت کا ساماں کیے ہوئے

دونوں جہان ہیں ترے جلوے سے مستنیر
دونوں جہاں کو تو ہے فروزاں کیے ہوئے

۲۸

وہ زندگی ہے فنا کا گماں گزرتا ہے
عجیب دور سے ہندوستاں گزرتا ہے

بلند تر ہے مہ و کہکشاں سے یہ دمِ فکر
خیال اپنا کہاں سے کہاں گذرتا ہے

ہمارا دل ہے کہ یا رب گذر گہِ عالم
اسی دیار سے ہر کارواں گذرتا ہے

ترے نثار اس انداز سے عتاب نہ کر
عتاب پر بھی کرم کا گماں گذرتا ہے

وہ کی خلوص کی توہین اہلِ دنیا نے
زباں پہ لفظ محبت گراں گذرتا ہے

ادا نگاہوں سے ہوتا ہے فرضِ گویائی
زباں کی حد سے جو ذوقِ بیاں گذرتا ہے

یہ کس مقام پہ ہوں میں کہ ہر قدم کیساتھ
میری نظر سے نیا اک جہاں گزرتا ہے

زمیں کا سینہ دہلتا ہے خوف سے جو کبھی
تصورِ ستمِ آسماں گزرتا ہے

ہیں تنگ حوصلہ کے واسطے حوادثِ دہر
دلیر صورتِ سیلِ رواں گذرتا ہے

عوض محال ہے اس کا حیاتِ خضر سے بھی
وہ لمحہ عمر کا جو رائیگاں گذرتا ہے

درِ قفس نو الٰہی ہے مجھ اسیر پہ بند — کہاں سے دل میں غمِ آشیاں گذرتا ہے
تری تلاش سہی لاکھ ذہن عالم کو — جہاں گذر ہے ترا کب وہاں گذرتا ہے
عجیب فیض کی دنیا ہے بابِ میخانہ — گذرنے والا ہر اک کامراں گذرتا ہے

بہار کے تھے ترانے نہال کے دم تک
وہ دوستدارِ گل و گلستاں گذرتا ہے

سنسان ہے

قیدیِ نکہتِ گلزار ہوں میں جاؤں کہاں
چلنے دیتی نہیں دو گام یہ زنجیر مجھے
پھر وہی اپنا نشیمن ہو وہی شاخِ چمن
پھر وہی خواب دکھا دے فلکِ پیر مجھے

۲۹

جتنی جفائے دوست سے دلبستگی ہوئی — اتنی ہی کامیاب مری عاشقی ہوئی
کیا عشق میں ابھی غمِ بربادیٔ حیات — اسکو بھی دیکھ لینگے جو فرصت کبھی ہوئی
کھیلا کیا ہوں لالہ و گل سے تمام عمر — طوفانِ رنگ و بو میں بسر زندگی ہوئی
مَیں خوانِ روزگار پہ وہ نامراد ہوں — غم بھی اگر فلک نے دیا تو خوشی ہوئی
ایسا نہ ہو کہ اس کی محبت میں آئے فرق — دل کانپ اُٹھا جو درد میں پیدا کمی ہوئی
اپنے وجود ہی سے نہ آگاہ ہو سکا — اسرارِ کائنات سے کیا آگہی ہوئی
آنا اِدھر نہ بھول کے بھی لئے ہوئے یاس — دل میں ہے اک اُمید کی دنیا بسی ہوئی
ہے تیرا حُسن جب سے مرا مرکزِ نگاہ — ہر شے ہے اعتبارِ نظر سے گری ہوئی
دل بھی غلام، دل کی تمنائیں بھی غلام — یوں زندگی ہوئی بھی تو کیا زندگی ہوئی

اس نے نقاب اٹھائی کچھ اسطرح وقتِ صبح — ہر ذرہ میں طلوع نئی زندگی ہو

لائی وہیں پیامِ تغیّر ہوائے دہر — یک لمحہ کو جو گرمِ تبسّم کلی ہو

اے وائے گرمیٔ شبِ عشرت کا یہ مآل — پروانے سرد شمع سحر ہی بجھی ہو

کیا ذائقے بتانے سے حاصل بہنال کو
میخانے کی ہر ایک ہی مے اسکی پی ہوئی

مستانہ مے

مستی بادہ میں ہے جلوۂ ساقی بھی شریک
ایسی صورت ہو تو فرمائیے کیا ہوش رہے

میرے قربان اٹھا دیکھ ذرا رخ سے نقاب
ہوش کے معنی ہیں ممکن ہی نہ ہوش

۳۰

جنوں تعلیم کچھ فرما رہا ہے
خرد کا ساتھ چھوٹا جا رہا ہے

بڑھی جاتی ہے شمعِ بزم کی لَو
کوئی پروانہ شاید آ رہا ہے

کمالِ آدمِ خاکی تو دیکھو
زمیں سے آسماں تک چھا رہا ہے

فنا کا پیش رو اس کو سمجھیے
جو لمحہ زندگی کا جا رہا ہے

فضائے نیم شب اتنی دلآویز
نقاب اُلٹے ہوئے کون آ رہا ہے

جوانی اور جامِ مے سے توبہ
یہ کیا پیرِ خرد سمجھا رہا ہے

الٰہی شرم رکھنا رازِ دل کی!
کسی کا نام لب پر آ رہا ہے

تری روشن جبیں کا ہے وہ عالم
چراغِ ماہ بھی شرما رہا ہے

نگہ نے شکل تک دیکھی نہیں ہے
پسِ پردہ کوئی تڑپا رہا ہے

نہالؔ آنکھیں اٹھا بہرِ نظارہ
کوئی سوئے گلستاں آ رہا ہے

۳۱

جفائے چرخِ کج رفتار پر فریاد کیا کرتے
خود اپنی ہمتِ عالی کو ہم برباد کیا کرتے

وہ عالم جس کی ہست و بود پابندِ عناصر ہے
ہم اُس عالم میں شرحِ فطرتِ آزاد کیا کرتے

جنھیں میرے سکونِ خاطرِ برباد سے ضد تھی
سرانجامِ سکونِ خاطرِ برباد کیا کرتے

خزاں میں ذکرِ شادابی ہی نہ تھا اس عہدِ رنگیں کا
گزشتہ صحبتِ اہلِ چمن کو یاد کیا کرتے

زمین و آسماں پر میری ہستی فوق رکھتی تھی
مری ہستی زمین و آسماں برباد کیا کرتے

جنہیں سامانِ نازِ زندگی پاسِ قدامت تھا
کوئی نوعِ نظامِ زندگی ایجاد کیا کرتے

تجلّی پیکرِ مہرِ مبیں کو بخشنے والے
فیوضِ انجمِ کم ضو سے استمداد کیا کرتے

نہیں ممکن خود اپنی ہمنوائی جن اسیروں کو
کسی کو ہمنوائے شکوۂ صیاد کیا کرتے

ابھی کچھ اور دن امیدوارِ کشف رہنا تھا
زبانِ غیب سے کیا جانے وہ ارشاد کیا کرتے

ملی تھی عمرِ شبنم اے نہالؔ اِس دارِ فانی میں
بقدرِ ذوقِ سیرِ گلشن ایجاد کیا کرتے

ستارہ

رخصتِ زندہ دلی ہم کو گوارا نہ ہوئی
وہ نوا گر تھے قفس میں بھی نہ خاموش رہے

۳۲

پھر حیرتیٔ جلوہ بناتے ہوئے آئے — بجلی سی نگاہوں پہ گراتے ہوئے آئے

ہر گام پہ تھا حسن کا نیرنگ نرالا — تصویر پہ تصویر دکھاتے ہوئے آئے

انداز قیامت کے ہیں رفتار میں اُنکی — سوتے ہوئے فتنوں کو جگاتے ہوئے آئے

بے ہوش مجھے مدھ بھری آنکھوں نے بنایا — مستانہ نگاہوں سے پلاتے ہوئے آئے

اللہ رے وہ تابشِ رخسار کا عالم — ہر ذرّہ کو خورشید بناتے ہوئے آئے

آنکھوں میں مری پھر گئی کیفیتِ ایمنؑ — موسیٰؑ کا وہ افسانہ سناتے ہوئے آئے

کس درجہ دلاویز تھا آنے کا یہ انداز — بکھری ہوئی زلفوں کو بناتے ہوئے آئے

جس رہ میں کیا پائے حنائی نے تردّد — اس راہ میں اِک باغ لگاتے ہوئے آئے

کیا حسنِ تکلم تھا کہ ہر جنبشِ لب سے — سو پھول تبسم کے کھلاتے ہوئے آئے

ہر فردِ گرامی سے لیا خطِّ غلامی
ہر گردنِ سرکش کو جھکاتے ہوئے آئے

آئے تو بجز ان کے نظر کوئی نہ آیا
وہ عالمِ ایجاد پہ چھاتے ہوئے آئے

پھر خرمنِ جذبات میں اک آگ لگا دی
پھر سوزِ محبت کو بڑھاتے ہوئے آئے

پھر قصرِ تمنّا میں ہُوا جشنِ چراغاں
اُجڑی ہوئی محفل کو سجاتے ہوئے آئے

شکوہ نہ رہے تا مجھے بیگانہ وشی کا
آئینِ تکلّف کو اُٹھاتے ہوئے آئے

پُر کیف کیا عشرتِ امروز سے مجھ کو
ذکرِ غمِ دوشیں کو بھلاتے ہوئے آئے

کیا خوب نہالؔ آج کیا دادِ سخن سے
میری ہی غزل مجھ کو سناتے ہوئے آئے

ستارے

چارہ شدّتِ غم کچھ ہے تو فریاد سے ہے
دل کی دنیا ہی بدل جائے جو خاموش رہے

کاش یہ ختم نہ ہو سلسلۂ بارشِ کیف
کاش ساون کی گھٹاؤں میں یہی جوش رہے

۳۳

گزرتی ہے جو دل پر اے اسیرِ غم بیاں کر لے
خموشی پر گمانِ بے حسی کیوں ہو فغاں کر لے

اگر اپنے کو فطرت کا یہ انساں راز داں کر لے
ہر اک ذرہ سے پیدا بے تکلف سو جہاں کر لے

غنیمت ہے جوانی پھر کہاں یہ عہدِ سرمستی
جہاں تک ہو سکے سیرِ خراباتِ مغاں کر لے

امیرِ دو جہاں بن جا، اسیرِ خار و خس کب تک
نئی صورت سے ترتیبِ بنائے آشیاں کر لے

اسی پردے میں ہے رازِ طلسمِ کن فکاں مضمر
جو تجھ سے ہو سکے تو اپنی ہستی کو عیاں کر لے

جہانِ ظلم جس سے لرزہ بن اندام ہو جائے
فغاں ہی تجھ کرنی ہے تو پھر ایسی فغاں کرلے

میں جب قائل ہوں تیری ہمتِ ایذا پسندی کا
غمِ کون و مکاں کو اپنے دل میں مہماں کرلے

بہارِ جاوداں بن کر رہے جو لوحِ ہستی پر
تو اپنے گریۂ خوں کو وہ رنگیں داستاں کرلے

بشر کے واسطے ہے عشق تمغائے شہنشاہی
یہ وہ نقشِ گرامی ہے جو تسخیرِ جہاں کرلے

خطیبِ گلستاں ہو، ہمنوائے گلستاں ہو جا
سمجھ لیں لالہ و گل جس کو پیدا وہ زباں کرلے

محبت بجلیوں سے کھیلنا خود سیکھ جائے گی
نجاتِ آشیاں چاہے تو قدرِ آشیاں کرلے

سلیقہ کس کو مے نوشی کا ہے کس کو نہیں ساقی!
ہر اک کی جانچ فرمالے، ہر اک کا امتحاں کرلے

فنا ہو کر جہانِ عشق میں ہو جا بقا ساماں
اسی عمرِ دو روزہ کو حیاتِ جاوداں کر لے

شکستہ خاطروں کی تا بمنزل دستگیر
جو وا ماندہ ہیں ان کو بھی شریکِ کارواں کر

ہے روحِ زندگی آزادئ افکار سے قائم
جو اسکو رائیگاں کر لے، وہ سب کچھ رائیگاں کر لے

ہر اک ذرّے کو کر دے آشنا بامِ ثریّا سے
زمیں کی جس قدر پستی ہے اوجِ آسماں کر

مری ہر سانس میں ہیں جلوہ پیرا صد حیاتِ نو
غرض میری بلا کو ماتمِ عمرِ رواں کر لے

نہالِ زار تکلیفِ جہاں گردی سے میں چھوٹو
مجھے جذبِ گلستاں کاش خاکِ گلستاں کر

٣٤

جنونِ عشق کی کوئی ادا مانی نہیں جاتی
الٹ جاتی ہے جب دنیا تو پہچانی نہیں جاتی

کنارِ مرگ تک ہو گا تلاطم بحرِ ہستی کا
سکوں حاصل نہ ہو جب تک پریشانی نہیں جاتی

اُٹھا ہوں ہمنوائے صور بن کر دیکھنا یہ ہے
کہاں تک ابنِ آدم سے تن آسانی نہیں جاتی

وہاں سونپی گئی ہے خدمتِ عرضِ وفا مجھ کو
جہاں اہلِ وفا کی بات ہی مانی نہیں جاتی

سمجھ لے یہ بھی اے پایانِ ہستی سوچنے والے
نظر پایانِ ہستی تک بآسانی نہیں جاتی

ہوائے عشق پُر آشوب تھی روزِ ازل کیسی
ابھی تک دل سے انساں کی پریشانی نہیں جاتی

معاذ اللہ ہے بیگانۂ غم کس قدر دنیا
کہ آوازِ شکستِ دل بھی پہچانی نہیں جاتی

ہمیں بھی تلخیٔ کام و دہن سے ساز آتا ہے
نہ جائے زہرِ غم کی گر فراوانی نہیں جاتی

کبھی تھا یہ ترے جلووں کی منزل گاہ لیکن اب
اُسے دل کیا کہیں ہم جس کی ویرانی نہیں جاتی

فضائے عالمِ بیرنگ کیا خوش آ گئی مجھ کو — وہاں بلوا جہاں جلووں کی طغیانی نہیں جا[تی]

مئے باقی کا کوئی جام لے پیرِ مغاں مجھکو — مری نظروں سے سیرِ عالمِ فانی نہیں جا[تی]

دکھا کر اس نے جلوہ آئینے کو کر دیا حیراں — ازل کا ذکر ہے ابتک وہ حیرانی نہیں جا[تی]

نہال اٹھتی گھٹائیں دیکھ کر میں پی ہی لیتا ہوں
شکستِ توبہ ہو جس سے وہ نادانی نہیں جاتی

بیتستان

محبت سے بری اے غافل قیامِ عالمِ امکاں
جو دنیا سے اٹھ گئی تو دنیا ہی نہیں ہوگی
زمانے کی علامت ہے سمجھ نازِ لطفِ دوراں کا
پریشاں ہو گی اتنی کہ جسیں ہو[تی] [illegible]

بادۂ کہن

رنگِ قدیم

ہر ذرہ مشتاب و پئے جادہ شناساں درگیر

ایکہ در راہِ سخن چو نتو ہزار آمد و رفت

(غالب)

۱

ہمسرِ برق ہو سکے زہرہ کہاں یہ کاہ کا — دل ہو حریف کس طرح جلوۂ بے پناہ کا

حوروں کی سجدہ گاہ ہے ارضِ لطیفِ میکدہ — بیٹھ کے محتسب یہاں نام نہ لے گناہ کا

دونوں جہاں پہ ہی محیط وسعتِ ذوق و شوقِ عشق — عرش بھی ایک گوشہ ہے اپنے دلِ تباہ کا

ضبطِ الم کا ہو بھلا عشق نے دل الٹ دیا — فکرِ نجات سے چھٹے غم نہ رہا گناہ کا

تا دلِ نامراد ہو عہدِ وفا سے مطمئن — ہونٹ ہلا، زبان کھول، وعدہ تو کر نباہ کا

پی نہیں گر پلائی تو، میکدہ میں لُنڈھائی تو — توبہ کے بعد بھی ہمیں ذوق رہا گناہ کا

پہلے تو یہ چمک نہ تھی عارضِ مہر و ماہ میں — غازہ بنا لیا نہ ہو آپ کی گردِ راہ کا

سر نہیں نوکِ دار پر کیفرِ جرمِ عشق کیا — حوصلہ پست کر دیا تم نے بڑے گناہ کا

ملتی ہے تیرے کشتہ کو زندگیٔ ابد قرار — بخششِ جاں پہ ہے تُلا دشنہ تری نگاہ کا

عادتِ میکشی پہ ہو شیخِ حرم نہ خردہ گیر — مستِ مئے الست کو ہوش نہیں گناہ کا

رنج کشانِ راہِ شوق جان سے بھی گذر چلے ملتا کہیں نشاں نہیں آپکی جلوہ گاہ کا
عیش و سرور میں مدام چاہیے عمر ہو تمام ذکر نہ ہو ثواب کا، فکر نہ ہو گناہ کا
از سرِ نو طوافِ طور کرتی ہے ہمتِ کلیم ذرہ کو پھر ہوا ہے شوق مہر سے رسم و راہ کا
میں ہوں گناہ گارِ عشق، دار و رسن مجھے قبول غیر کے روبرو نہ کر شکوہ مرے گناہ کا
تم نے یہ کیا غضب کیا ملنے سے ہاتھ اٹھا لیا اب وہ سلوک بھی نہیں رنجشِ گاہ گاہ کا
شدتِ رنج دیکھ کر سینۂ غیر بھی ہے شق حال وہ عاشقی میں ہے خاطرِ غم پناہ کا
اپنے کرم کا واسطہ بخش دے جو ہُوا ہُوا مجھ سے مواخذہ نہ کر حسرتِ پُر گناہ کا
عہدِ شباب تک ہے شیخ آمد و رفتِ میکدہ اس سے گزر گئے تو منہ دیکھیں گے خانقاہ کا
توبہ گناہ سے نہیں، اے دلِ پُر گنہ نہیں ترکِ گناہ بھی تو ہے کام بڑے گناہ کا

پھر ہے جوابِ صورِ حشر نالہ کشیٔ نہاں کی
اُن گلی میں آج پھر شور ہے آہ آہ کا

۲

دمِ قدم سے اِنکے ہے تکمیلِ سامانِ بہار
لالہ وگل ہی تو ہیں در اصل ارکانِ بہار

یہ نمودِ رنگ، یہ حسنِ فراوانِ بہار
کچھ حسینانِ جہاں سے کم نہیں شانِ بہار

چپہ چپہ گلستاں کا ہے غزلخوانِ بہار
پھر بہار آئی ہوئے پھر جمع یارانِ بہار

خانۂ زنجیر ہی میں ہیں نے کاٹی فصل گل
راس کب آیا میری وحشت کو ارمانِ بہار

اذنِ جولانی دیا کس نے سمندِ حسن کو
موجزن ہے فرش سے تا عرش طوفانِ بہار

صبحِ عشرت سے بدل سکتی نہیں کیوں شامِ غم
کیا خزاں میں ہو نہیں سکتا ہی امکانِ بہار

نغمہ سنجی لالہ وگل کی ہوئی ہے مجھ پہ ختم
کوئی اب مجھ سا نہیں گو یا ز باندانِ بہار

گریۂ خونیں مرا شرمندۂ موسم نہیں
میری آنکھوں نے نکالا میرا ارمانِ بہار

ہی جنوں شاید اسی کا نام اہل ہوش میں
آپ میں رہتے نہیں ہم دیکھ کر شانِ بہار

حیرتِ نظّارۂ گل کب چھپائے سے چھپی ایک عالم جانتا ہے مجھ کو حیران بہ
آنکھ کیا ہم سے بہارِ تختۂ نرگس ملائے ہم ہیں ترے دیکھنے والوں میں اے جانِ
پے مئے و مینا گزاری ہیں نے ساری فصلِ گل میکدہ پھر مجھ کو کہتا ہے پشیمانِ
کرتی ہے شانہ کشی کا حق ادا موجِ نسیم ہوتی ہے آراستہ زلفِ پریشانِ
انکشافِ رازِ فطرت کا نتیجہ ہے جنوں اور جنوں ہی دوسرے لفظوں میں عرفا

ہجر میں کسکو ہوائے سیرِ گلشن ہے نہاںؔ
ہیں برنگِ نکہتِ گل ہوں پریشانِ بہار

~~~~~~~~~~~~~~

ستارے

آلودہ مئے لب ہیں مقصود بادہ نوشی
آئینہ دار سینہ میخوار رہا ہے
ہم تھوں سے کبھی پلائے لگا ہوں کبھی جھکائے
ساقی مرا عتاب سے پکار رہا ہے
~~~~~~~~~~~~~~

۳

سرکشی تیغِ جفائے ناز پر خم دیکھ کر — زندگی کو وجد ہے اپنا یہ عالم دیکھ کر
ایک کو شاد ایک کو سرگرمِ ماتم دیکھ کر — ہوش گم سے ہیں مرے نیرنگِ عالم دیکھ کر
کیوں ہو سمتِ عالمِ ایجاد حکمِ بازگشت — آرہے ہیں یہ تماشا تو ابھی ہم دیکھ کر
بادہ نوشی ہے الگ اپنی مذاقِ عام سے — ہم پیا کرتے ہیں خطِّ ساغرِ جم دیکھ کر
واہ نقاشی تری اے جادۂ پرخارِ عشق — پھول شرمائے مرے تلووں کا عالم دیکھ کر
مصلحت سے کام فطرت کا کوئی خالی نہیں — غم دیا مجھ کو حریصِ لذّتِ غم دیکھ کر
عرصۂ محشر میں ہوگی اک خدائی یہ درست — اور جو پہچان لیں تم کو وہاں ہم دیکھ کر
کچھ سمجھ میں آچلی ہے ابتدائی کوئی دوست — اور وہ بھی انتہائے عرشِ اعظم دیکھ کر
ہے یہ اپنے عشقِ غارت گر کی شرحِ مختصر — ہوش کھو آئے کسی کو اک نظر ہم دیکھ کر
کچھ عجب انداز ہیں دنیائے حسن و عشق کے — دل کھنچا جاتا ہے ان کو مائلِ رم دیکھ کر

یہ غزل لکھوائی ہے مجھ سے کسی نے اے نہالؔ
فکر کو سرمایہ دارِ لذتِ غم دیکھ کر

۴

جہاں محوِ خوابِ گراں دیکھتا ہوں
تماشائے اہلِ جہاں دیکھتا ہوں

یہ مشقِ تصوّر ہے جلوہ تمھارا
جہاں چاہتا ہوں وہاں دیکھتا ہوں

بنا دی یہ کیا شکل اے برق تو نے
میں کیا صورتِ آشیاں دیکھتا ہوں

یہ کس رشکِ ناہید نے نغمہ چھیڑا
کہ خود رفتہ کون و مکاں دیکھتا ہوں

سمجھتا ہوں جورِ زمانہ کو باطل
جب اُس شوخ کو مہرباں دیکھتا ہوں

کیا ہے مجھے فطرت نے سحر ساماں
کراماتِ پیرِ مغاں دیکھتا ہوں

یہ کالی گھٹائیں، یہ جوشِ بہاراں
لبِ زہد پہ الاماں دیکھتا ہوں

برابر صدائے نفس آ رہی ہے
رواں عمر کا کارواں دیکھتا ہوں

یہاں تک وہ نظروں پہ چھائے ہوئے ہیں
اُنھیں دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں

تری یاد ہو کیا فراموش دل سے — اسے وجہِ تسکینِ جاں دیکھتا ہوں
کوئی دل نہیں خونِ حسرت سے خالی — ستم گاریِ آسماں دیکھتا ہوں
دماغِ نظر فرش سے عرش پر ہے — کہاں دیکھتا تھا، کہاں دیکھتا ہوں

نہاں آنکھ مل مل کے شک دور کر لوں
اُسے وادیِ گلستاں دیکھتا ہوں

ستارے

ذرہ ذرہ گوش بر آواز اس محفل میں ہے
کیا پیام تازہ کوئی پھر ہمارے دل میں ہے

جمال یار ہے سوگند تجھ کو اپنے جلووں کی
ہر اک کاشانۂ دل میں چراغِ طور جل جائے

۵

عدم کی سمت سب اپنے پرائے جاتے ہیں
جہاں کے ہیں یہ وہیں پھر بلائے جاتے ہیں

وہی قفس ہیں ہے ہم کو خیالِ لالہ و گل
یہاں بھی خیر چمن کی منائے جاتے ہیں

ستم ہے موت کا پیغام نوجوانوں کو
چراغ صبح سے پہلے بجھائے جاتے ہیں

پناہ ملتی نہیں پھر انھیں دو عالم ہیں
جو لوگ تیری گلی سے اُٹھائے جاتے ہیں

ادب سے پاؤں کو رکھ اس زمیں پہ اے واعظ
یہ میکدہ ہے یہاں سر جھکائے جاتے ہیں

شبِ فراق چراغوں کا کام کیا گھر میں
یہ اور آگ سی دل میں لگائے جاتے ہیں

ابھی تو صبح کے آثار دور ہیں ساقی
ابھی سے جام و سبو کیوں بڑھائے جاتے ہیں

ذرا سی پینے پہ شرم گناہ ہے اتنی
خجل ہوں ایسا پسینے سے آئے جاتے ہیں

مئے نشاط محبت کے خمکدے میں کہاں
لہو کے گھونٹ پیا پے پلائے جاتے ہیں

نصیب صحبتِ جام و سبو نہیں، ہی نہال
یہ دن بہار کے بیکار ہائے جاتے ہیں

٦

جی چاہتا ہے عرصۂ ہستی کو چھوڑ دوں
رفعت شناسِ عرش ہوں پستی کو چھوڑ دوں

ضبطِ الم سے جان پہ بن جائے میں اگر
یک لمحہ شکوۂ غمِ ہستی کو چھوڑ دوں

واعظ یہ شغلِ جام تو ایمان ہو میرا
میں کس طرح سے بادہ پرستی کو چھوڑ دوں

ہر چند ناگوار ہیں اوضاعِ اہلِ شہر
دیوانہ تو نہیں کہ ہوں کہ بستی کو چھوڑ دوں

جی چاہتا ہے آج کہ ساقی کے ہجر میں
ساغر کو توڑ دوں مئے و مستی کو چھوڑ دوں

وہ رند ہوں جسے روشِ خاص ہے پسند
مہنگی جو ہاتھ آئے تو سستی کو چھوڑ دوں

سچ کہنے میں اگرچہ ہے دار و رسن کا خوف
میں وہ نہیں کہ صدق پرستی کو چھوڑ دوں

میرا تو فیصلہ ہے کہ شانِ خدا ہے حُسن
کافر ہوں میں جو حسن پرستی کو چھوڑ دوں

مجھ کو اگر بلائیں تو ہر حال میں نہال
مثلِ شمیم گلشنِ ہستی کو چھوڑ دوں

۷

تجھ سے دو دن بھی وفا اے حیلہ گر ہوتی نہیں
دوستی کی بات اتنی مختصر ہوتی نہیں

ایک صورت پر ہے قائم اپنے کاشانے کا رنگ
شامِ غم شرمندۂ نورِ سحر ہوتی نہیں

دیکھ لے حالِ دلِ خوں گشتہ وہ بھی اک نظر
اتنی فرصت کیا تجھے بیداد گر ہوتی نہیں

کارفرما ہجر ہیں ہرچند ہے طوفانِ اشک
سرد پھر بھی آتشِ سوزِ جگر ہوتی نہیں

کیا نگہ فرمائیں سوئے عاشقاں اربابِ حسن
بادشاہوں کی فقیروں پر نظر ہوتی نہیں

ہو مبارک حضرتِ زاہد ہی کو یا اتقا
بے مئے و مینا تو یاروں کی بسر ہوتی نہیں

دردِ الفت نے بنا دی جان پر نیری نہالؔ
یعنی مجھ سے التجائے چارہ گر ہوتی نہیں

۸

مضرابِ الم سے تارِ نفس کو چھیڑتے ہیں ہم راتوں میں
آساں نہ کہو، آسان نہیں الہام کے نغمے باتوں میں

وہ لطف اسیری میں ہے کہاں جو پہلے تھا برساتوں میں
آزادی اپنے نشیمن میں، جگنو کا چمکنا راتوں میں

محدود تخیل ہے تیرا الجھا ہے اگر تو ذاتوں میں
تفریق بنی آدم میں نہ کر، ہے بوئے فساد ان باتوں میں

تا چند نحوست ظلمت کی، احساس نہیں ہے کیا تجھ کو
داغوں سے چراغاں کر اے دل فرقت کی اندھیری راتوں میں

صیاد کے گھر جب سے آئے ہر لحظہ جان کے لالے ہیں
کہتے ہیں سکوں پرور جسکو وہ نیند کہاں اب راتوں میں

آنسو ہیں چند بضاعت ہیں اور وہ بھی مکدّر ہیں غم سے
اے شاہِ حسن ترے شایاں کیا لائیں ہم سوغاتوں

اس دورِ نفس پرستی میں برپا ہے جو اندھیر نہ پوچھ
ایمان ہے خوابِ غفلت میں شیطان ہے اپنی گھاتوں

رعنائیِ ماہ و انجم بھی اک میکدہ ہے شاعر کے لیے
ہوتی ہے تخیّل پر اس کے بھرپور جوانی راتوں م

یوں آج سرِ راہ ٹھیرایا دیوانہ بن کے نہال اُن کو
محکم تھی گرفتِ دامن کچھ، کچھ دیر لگائی باتوں میں

ستناسے

ہوتی ہے میری آمد سے نفس چاک و برہنہ تن
ہے ذوقِ ازل سے خدمتِ چاکِ گریباں ہی
یہ پیار ابھر کے پھر ناپید ہو جانے سے کیا معنی
فنا کا لمحہ تناپدور ہے تکمیلِ انساں

۹

بادۂ وحدت سے جب سرشار آنکھیں ہو گئیں
تنگنائے دہر سے بیزار آنکھیں ہو گئیں

پتلیوں میں طور کے جلوے سمٹ کر آ گئے
تابِ عارض سے تجلّی زار آنکھیں ہو گئیں

کس کی آمد کی چمکتی بجلیوں نے دی خبر
سجدہ کرنے کے لیے تیار آنکھیں ہو گئیں

بادہ آشاموں نے دیکھے جلوہ ہائے رنگ رنگ
نشّہ سے ساقی کی جب سرشار آنکھیں ہو گئیں

چپہ چپہ میکدہ کا بن گیا ہے رودِ نیل
فرقتِ ساقی میں دریا بار آنکھیں ہو گئیں

تجھ کو کیا دیکھا کہ دنیا کی طرف اٹھتی نہیں
اے تعالیٰ اللہ کیا خوددار آنکھیں ہو گئیں

ہمّتِ مردانہ بولی، پڑ گئے ناسور جب
لو مبارک جلوہ گاہِ یار آنکھیں ہو گئیں

چھو گئیں تلووں سے اُنکے آج پابوسی کے وقت
مژدہ اے دِل دولتِ بیدار آنکھیں ہو گئیں

یہ ہوا آٹھوں پہر کی خوں فشانی کا مآل
بن گئے یعقوب ہم، بے کار آنکھیں ہو گئیں

معتقد ہوں دل سے مردانِ اولی الابصار کا
اک نظر میں واقفِ اسرار آنکھیں ہو گئیں

وہ طمانیت ہی ہر دم اینڈتے رہتے ہیں ہم
جب سے محوِ لذّتِ دیدار آنکھیں ہو گئیں

تھے نہال اس بے مروّت کو بہت کچھ شکوہ سنج
کلفتیں سب مٹ گئیں جب چار آنکھیں ہو گئیں

۱۰

آئینِ مروت سے یکسر خالی رفقا کو دیکھتا ہوں،
دوزخ نظر آتی ہے دنیا جب قحطِ وفا کو دیکھتا ہوں

ہر جا ہے وہی جب جلوہ فگن سجدے کو حرم کی قید ہو کیوں
ہر شے میں خدا آتا ہے نظر، ہر شے میں خدا کو دیکھتا ہوں

کہنے کو ہوں رندِ خاک نشیں ہے طبع مگر اتنی عالی
پاپوش سے بھی توقیر میں کم میں ظلِ ہما کو دیکھتا ہوں

ان میٹھی میٹھی باتوں میں تاثیر ہے زہرِ ہلاہل کی
اس بھولی بھالی چتون میں پوشیدہ قضا کو دیکھتا ہوں

ہر نغمۂ شادی ہے تمہید اک گریۂ ماتم کی مجھ کو
ہر خرمنِ عشرت میں پنہاں اک برقِ بلا کو دیکھتا ہوں

دنیا میں یقیناً اک ادبارِ افلاک سے ہو آنے والا
میں صفحۂ عالم سے معدوم اب شرم و حیا کو دیکھتا ہوں

میں اور غلامی کی ذلّت یہ اور وقارِ آزادی
ہوتی ہے ندامت سی جس دم مرغانِ ہوا کو دیکھتا ہوں

اے گدیہ گرانِ ناموسِ وطن کے دیرینہ دشمن خاموش
میں ننگِ سماعت تیری حمیّت سوز صدا کو دیکھتا ہوں

پھر ساقی و مینا یاد آئے، پھر توبہ کی خیر آج نہیں
پھر بارشِ کیف و مستی پر آمادہ گھٹا کو دیکھتا ہوں

یہ الفتِ مجنوں کا ہی اثر یا واہمہ کی ہے سحر گری
صحرا میں پسِ محمل ابتک اک آبلہ پا کو دیکھتا ہوں

یہ پھول گلاب کا ہے ابدل یا اک فردوسی دوشیزہ
ہی شرم سے نم آلود عارض رگ رگ میں حیا کو دیکھتا ہوں

یہ پچھلے پہر کی خموشی میں چھیڑا ہے کس نے رباب اپنا
مدہوشِ شرابِ نغمہ سے ہیں ارض و سما کو دیکھتا ہوں

فرہاد کا سر ہے اور تیشہ، غمناک ہی الفت کا پیشہ
ہے عشق کا حاصل پیشِ نظر انجامِ وفا کو دیکھتا ہوں

افسوس نہاںؔ سا مومن اور یہ شیوہ کفر پرستی کا
ہر وقت درِ میخانہ پر اُس مردِ خدا کو دیکھتا ہوں

سماں ہے

جلوہ عالم نیرنگ پہ حیرانی ہے
ساحلِ آسودہ ہی موجوں کو پریشانی ہے

ان کی تاکید ہے یہ فاش نہ ہو رازِ جنوں
فرض اب جیب و گریباں کی نگہبانی ہے

۱۱

محفلِ ہستی پہ کسکو تبصرے کا ہوش ہے
وہ تحیر ہے زباں شمع تک خاموش ہے

کیا سرور افزا شرابِ زندگی کا جوش ہے
زندگی جب تک ہے ہر اک پی پیے مدہوش ہے

گرم کیا ساقی کے دم سے بزمِ ناؤ نوش ہے
ہر طرف اک زندگی ہے، ہر طرف اک جوش ہے

فطرتِ دل ہے تماشا دوست وہ بھی حسن کی
اور محسوسات سے غافل ہے اتنا ہوش ہے

یہ جہانِ رنگ و بو ہے یا کسی کی بزمِ راز
جو شگوفہ باغ میں کھلتا ہے وہ خاموش ہے

لیکے آزادی کے پروانے کو پھر آئی بہار
پھر رہائی کا اسیروں کے لہو میں جوش ہے

نالہ قیدِ ضبط سے فارغ ہو یہ ہمت کہاں
جو تری محفل میں ہے اپنی جگہ خاموش ہے

کچھ پتا چلتا نہیں یہ راہ پیمائے حیات
کس طرف سے آرہا ہے، کس طرف رہ کوش ہے

سامنے ہے ساغرِ خورشید وقتِ میکشی
اللہ اللہ کیا عروجِ ہمتِ مے نوش ہے

مفت میں کیوں حائل نظارہ ہوتا ہے نقاب
برقِ حسنِ یار ہی کیا کم عدوئے ہوش ہے

جوشش الفت میں یہ دل کی بے پناہی الاماں — قطرۂ خوں ہے مگر قلزم سے ہم آغوش ہے

کچھ فلک کے باب تک چلتا ہے ہستی کا سراغ — اس سے آگے مشعلِ عقل و خرد خاموش ہے

آج تک رقصاں ہے فرمانِ ازل سے کائنات — چارسو گونجی ہوئی اب تک نوائے دوش ہے

جارہا ہے یوں دلِ وارفتہ سوئے بزمِ دوست — آگے آگے بیخودی ہے پیچھے پیچھے ہوش ہے

بڑھ گئی ہونے سے میرے رونقِ گلشن نہاں
دم بخود قمری نہ اب صحنِ چمن خاموش ہے

سناٹے
رسمِ فریاد نہیں داخلِ آئینِ قفس
انس بیکسِ مرغِ گرفتار کا زندانی ہے

چھپاؤں رازِ دل ناصح سے کیوں کر
محبت ٹپکی پڑتی ہے بیاں سے

۱۲

غم نہ کر شمع رات گزرے گی
جلتے بجھتے حیات گزرے گی

ہستیٔ بے ثبات کا کیا غم
ہستیٔ بے ثبات گزرے گی

رازِ دل کہہ نہ صورتِ غنچہ
سوز بانوں پہ بات گزرے گی

قصۂ غم نہ پوچھ، دل پہ گراں
پرسشِ واقعات گزرے گی

سخت گزرا ہے روزِ ہجر نہالؔ
تجھ پہ کیوں کر یہ رات گزرے گی

۱۳

مقصودِ زیست شورشِ طوفانِ غم میں ہے
انسان تو وہی ہے جو زندہ الم میں

ہر ذرہ ذرہ حسن سے تیرے چمن چمن
تیری گلی میں جو ہے وہ باغِ ارم

اب لذتِ جفا بھی نہیں ہے بقدرِ ذوق
یہ اور ظلم ہے کہ تغافل ستم میں

مرجائیں دل میں خارِ تمنا اگر نہ ہو
اپنی تو زندگی خلشِ دم بدم میں

کس جنتِ نگہ کا دمِ گریہ ہے خیال
گلرنگ ہے جو اشک میری چشمِ

آتے ہیں رند میکدے سے جھومتے ہوئے
وارفتگی ہے چال میں، لغزش قدم

مانا کہ چرخ بھی ہے جفاجو مگر کہاں
وہ لطفِ خاص جو ترے جور وستم میں

واقف ابھی نہیں ہے تری مصلحت سے خلق
عالم ہنوز کوششِ عرفانِ غم میں

غارتگر اس سے ہو گی فزوں شانِ التفات
جو طرزِ دلبری کی ادا ہائے رم میں

دو چار جام اور بھی ساقی ترے نثار
ہم ہوش میں ابھی ہیں، ابھی ہوش ہم

مینا سنبھال، جام اٹھا، چین کر نہ آل
کیوں نامراد بحثِ حدوث و قدم میں ہے

۱۴

اُنکا جلوہ وہ کہ جس سے اک جہاں ششدر بنے
آئینہ سے اُن سے دیکھا چاہیے کیونکر بنے

ارتقائے سوزِ اُلفت نے یہ بدلیں صورتیں
خاک سے آتش بنے، آتش سے خاکستر بنے

حشر پر موقوف اپنی جلوہ آرائی نہ کر
دِل کا ہر ذرّہ بجائے خود نہ اک محشر بنے

ہے مجھے مدِّ نظر سیرِ جہانِ بے خودی
موجۂ مے سے کوئی کہدے مرا رہبر بنے

ہمتِ پرواز آخر لے کے پہنچی تا قفس
خود مری وجۂ اسیری میرے بال و پر بنے

محوِ حیرت ہوں کہ ہے کیس کی صنعت کا ظہور
سوچتا ہوں یہ زمین و آسماں کیونکر بنے

یوں سمجھ میں عظمتِ پیرِ مُغاں کیا آئے گی
پہلے زاہد روشناسِ شیشہ و ساغر بنے

پھوڑ لینا سر کا سمجھا جائے گا ضعفِ جنوں
بات تو جب ہے کہ ہر دیوارِ زنداں در بنے

جس چمن میں تھا نشیمن وہ چمن ہی مٹ گیا
یہ بتا اے خانہ بربادی کہاں اب گھر بنے

حسن کو تفویض فطرت نے کیا فرمانِ عیش
عشق سے یہ کہدیا اندوہ کا منظر بنے

اور اس کے ماسوا کیا غایتِ دل ہے نہالؔ
یہ زمیں الفت میں جولانگاہِ صد محشر بنے

۱۵

دردِ دل کا اپنے یہ انداز ہونا چاہیے
ہر نفس کو اک پیامِ ناز ہونا چاہیے

وسعتِ عالم کی بربادی کا اندیشہ فضول
تجھ کو سرگرمِ خرامِ ناز ہونا چاہیے

مدعی صیاد، میں بازو شکستہ زیرِ دام
کیا علاجِ حسرتِ پرواز ہونا چاہیے

عافیت جوئی ہے ننگِ شیوۂ مردانگی
شورشِ طوفانِ غم سے ساز ہونا چاہیے

عالمِ امکاں وطن، اپنا نشیمن سینکڑوں
تو سلامت اے پرِ پرواز ہونا چاہیے

ناز یہ کہتا ہے اُنسے جب ہو تو گرمِ خرام
دل بجائے فرش پا انداز ہونا چاہیے

عرش سے آگے نکل جائیں ہوائے شوق ہیں
کم سے کم یہ رفعتِ پرواز ہونا چاہیے

شب ہوئی رخصت عیاں گردوں پہ ہیں آثارِ صبح
ساقیا درِ میکدے کا باز ہونا چاہیے

شیشہ و جام و سبو کو پھر سنبھالیں بادہ نوش
یعنی دورِ تازہ کا آغاز ہونا چاہیے

سرخمیدہ اُس طرف سب مست ہوں بہرِ سجود — جس طرف ساقی کا پائے ناز ہونا چاہیے

گوشِ نامحرم ہو کیوں آگاہِ سرِّ میکدہ — میکشوں کا فرض حفظِ راز ہونا چاہیے

حلقۂ اہلِ صفا میں کام کیا غماز کا — دور ایسی بزم سے غماز ہونا چاہیے،

کم نہیں ہے کیف میں صہبائے اُردو اے نہالؔ
کیوں ہوائے بادۂ شیراز ہونا چاہیے

ستارے
اسیروں کی خبر جائے نہ جائے
پیامِ آشیانہ آئے نہ آئے گلستاں سے
نہ پوچھو انتہا اُس سلسلے کی
ہوئی جس کی ابتدا پیرِ مغاں سے

۱۶

وہ خفا ہو مدعی سے جنگ اک یہ بھی سہی
انقلاب اے عالمِ نیرنگ اک یہ بھی سہی

پھونک دے برقِ تبسّم سے مری کشتِ حیات
شعبدہ اے حسنِ شوخ و شنگ اک یہ بھی سہی

اشک شوئی کیسی اُس نے نالہ سن کر کہہ دیا
غم سے لاکھوں ہیں جہاں دل تنگ اک یہ بھی سہی

اے دلِ مایوس منزل آگئی ہمّت نہ ہار
ہفتخواں طے کی جہاں فرسنگ اک یہ بھی سہی

آرزوئے وصلِ جاناں سے بھی ہو جا بے نیاز
عشق میں دیوانگی کا رنگ اک یہ بھی سہی

موت کی ہچکی سے کیا بیمارِ الفت کو ہراس
سازِ تن سے آخری آہنگ اک یہ بھی سہی

سیلِ گریہ کو بنا لے چشمِ تر طوفانِ نوح
ورنہ وہ کہہ دیں گے موجِ گنگ اک یہ بھی سہی

جلوۂ وہمی نے دنیا جگمگا دی دل کی آج
مشرقِ انوارِ رنگا رنگ اک یہ بھی سہی

بادلِ ناخواستہ دشمن کی منّت کیجیے
ان کی الفت میں گوارا ننگ اک یہ بھی سہی

صوتِ بلبل سُن کے فرماتے ہیں وہ مجھ سی ہے آل
نیرا ہم آہنگ، خوش آہنگ اک یہ بھی سہی

۱۷

ہوائے شوق میں مجھ کو کیا آتش بجاں تو نے — رگوں میں دلکے شعلے بھر دیے جاں جہا
مہک دی پھول کو مہ کو بنایا ضو فشاں تو نے — غرض ہر شے کی کشتی کو دیا اک بادبا
پلا کر بادہ سرمستانِ ساقی میں کیا داخل — تعالیٰ اللہ کیا رتبہ دیا پیرِ مغاں
اجل کا ہاتھ پہنائیگا آخر کو کفن غافل — بہت پہنے ہیں ملبوسِ حریر و پرنیاں
تحیر میں ہے ذہنِ نکتہ رس قطرے کی عظمت پر — بھرا ہے کس طرح کوزے میں بحرِ بیکراں
یہ سیار و ثوابت ہیں نگینے تیرے جھومر کے — کیا ہے اپنی پیشانی کو آنچل سے عیا
پرے حدِ نظر سے بھی ہے اسکی منزلِ عالی — یہ ہے حدِ نظر سمجھا ہے جس کو آسماں
شرابِ آتشیں دے کر عدو کی بزم میں ساقی — بنا دی میری ہستی شعلہ زارِ غم فشاں
سر و سامانِ مقدم ہے یہ کس برقِ تجلی کا — مرتب لشکرِ انجم کیا اے آسماں

لحاظِ حرمت مے کیا کرے گا دستِ نامحرم | یہ ساقی رہ گیا پھر کس لیے کھولی دکاں تو...
بس اب اے عہدِ حاضر ہاتھ اُٹھا ربطِ تملق سے | کہ اس شعلے سے ظالم پھونک ڈالا کل جہاں تو...
یہ دو لفظ اے پپیہے آہ کتنے حشر ساماں ہیں | بتا دے تو کہاں سیکھا ہو کہنا "پی کہاں" تو...
فدا ہیں عندلیبیں باغباں سب جلوۂ گل پر | عجب لوحِ چمن پر کی نقش آرائیاں تو...
ذرا اے دل سحابِ فیض کو ارگن بجانے دے | اثر اودی گھٹاؤں کا ابھی دیکھا کہاں تو...

نہاں اک حشر برپا ہے تری آتش نوائی سے
مگر اے پرمحن الفت کی چھیڑی داستاں تو نے

بشارت ہے
یہ مژدہ ہے کہ آئے گا قدمبوسی کو جانا
ہر اک گلشت چمن آتی ہے اشیاء لیے
بہار گلشن فردوس سے پیغام
پھر سے حسن رنگین کا نظارہ لیے

۱۸

عہدِ حاضر ہے یہ کیسی تیرے پیمانے میں ہے — کشمکش کا دور ہے ہنگام خم خانے میں ہے

سرگذشتِ دل ہے اپنی قصۂ غم میں شریک — اک فسانہ اور بھی شامل اس افسانے میں ہے

آفتابِ روئے ساقی کے ہیں جلوے اس قدر — شام ہمرنگِ فروغِ صبح میخانے میں ہے

ساقیٔ دوراں سے شکوہ بیش کم کا ہے فضول — ظرف جتنا اُسنے دیکھا اُتنی پیمانے میں ہے

ناصحِ عاقل بجز ترکِ نصیحت کیا کرے — ہوش ہی باقی کہاں اب تیرے دیوانے میں ہے

نوحہ خواں ہیں عظمتِ ماضی پہ ذرّے خاک کے — اک جہانِ بے کسی آباد ویرانے میں ہے

تیری آمد کا سنے پیغام کیا اے روزِ حشر — محو یہ بزمِ جہاں اپنے ہی افسانے میں ہے

کیا الم انگیز ہے انساں کی رودادِ حیات — حرف حرف اک دفترِ عبرت اس فسانے میں ہے

پھر ترے رنگین جلووں سے ہو پُر بزمِ خیال — پھر بہارِ خلد مہماں اپنے کاشانے میں ہے

انجمن میں پارساؤں کی تھا یہ ذکرِ نہاں
اُس شرابی کی لحد سنتے ہیں میخانے میں ہے

۱۹

کون آگیا یہ زلف کو برہم کیے ہوئے
سامانِ انتشارِ دو عالم کیے ہوئے

بے وجہ تو نہیں ہے جبیں سپہر خم
ہے اعترافِ عظمتِ آدم کیے ہوئے

دیکھا ہے کس کا روئے نگاریں کہ ہر نظر
ہے لاکھ جنتوں کو فراہم کیے ہوئے

ہوں اپنے نقدِ ہمت دل کا عیار سنج
دل کو حوالۂ تپشِ غم کیے ہوئے

دیکھے ہوئے ہیں اُس نگہِ فتنہ زا کے رنگ
یعنی ہوں سیرِ گردشِ عالم کیے ہوئے

ساقی کرم کی کاسۂ درویش پر نظر
مدت ہوئی ہے پیرویِ جم کیے ہوئے

دل ہے فروغِ جلوۂ جاناں سے کامیاب
ہے مہر پاسِ خاطرِ شبنم کیے ہوئے

ساقی ایاغِ بادۂ رنگیں کہ زہدِ خشک
ہے عیشِ زندگی کو جہنم کیے ہوئے

چھپتی نہیں چھپائے سے الفت کی داستاں
کیا قہر ہے یہ دیدۂ پُرنم کیے ہوئے

ہاں ہم ہیں بادہ خوار، مگر کیسے بادہ خوار
اسرارِ کائنات سے محرم کیے ہوئے

شاید تجھے بھی یاد ہوں اے خوگرِ جفا — تھے وعدہ ہائے لطف جو پیہم کیے ہوئے
رفعت پذیر اور ہوا اے چرخِ چنبری — اندازۂ بلندیٔ آدم کیے ہوئے

ئی سحر جہاں کے ہر اک کوہ و دشت کو — ہے جلوہ زار نیّرِ اعظم کیے ہوئے
چونکو طلسمِ خواب سے اے ساکنانِ شرق — اُٹھو بلند عزم کا پرچم کیے ہوئے
یا کل تمھاری بارگہِ پُرشکوہ میں — تھے مہر و ماہ اپنی جبیں خم کیے ہوئے
یا آج وہ شکوہ وہ اقبال تو کجا — بیٹھے ہو سازِ مجلسِ ماتم کیے ہوئے

تفسیرِ زندگی جسے کہتے ہیں اے نہالؔ
ہے زندگی کو اور بھی مبہم کیے ہوئے

ALLAMA IQBAL LIBRARY
55895

۲۰

عظمت نے مری رفعتِ افلاک ہی چھینی — اللہ رے مرا دبدبہ عرش نشینی

کر مشورۂ تسخیرِ مہمات ہیں دل سے — دنیا کی نہ سن بات، یہ دنیا ہے کمینی

تابندہ نہ ہو گر مری قسمت کا ستارہ — کس کام کی اے دوست تری زہرہ جبینی

ہستی پہ دلالت ہے، تری شدتِ احساس — بجھ جائے جو یہ شعلہ تو ہے موت یقینی

اُٹھیگا تری خاک سے کب غلغلۂ حشر — اے مشرق و اے خوابگہِ ہندی و چینی

اس سمت بھی اے پیرِ مغاں ساغرِ اخلاص — زاہد کو پلا بادہ کہ ہے خدمتِ دینی

کچھ اور مچا شور گرجتے ہوئے بادل — منظور ہے مے آج مجھے دھوم سے پینی

آنے کو ہے اس سطحِ بلندی پہ یہ دنیا — بن جائینگے افلاک یہ ذراتِ زمینی

محروم نہ رہ جائے نہال ابرِ کرم سے
اے رحمتِ عالم تو انیسی و معینی

J. & K. UNIVERSITY LIB.
Acc. No. 55895
Date 6.1.65

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.